فہرست

اداریہ	ابتدا تیرے نام سے	صائمہ اسما	5
انوارِ ربانی	ماہ رمضان ماہ مناجات	افشاں نوید	7
قولِ نبیؐ	ماہِ صیام کی برکات اور ہمارے معمولات	عظمیٰ عمران	10
خاص مضمون	مایوس دلوں کے لئے اُمید	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	12
نوائے شوق	سب رنگ تیرے ہیں	شمیم فاطمہ	17
	نعت	عذرا شوذب	17
	غزل	نجمہ یاسمین یوسف	18
	غزلیہ	ام عبد منیب	18
	غزلیں	کرامت بخاری	19
	غزل	شمیم فاطمہ	20
	سدا سلامت رکھیو مولا	شمیم فاطمہ	20
حقیت و افسانہ	کی جاناں میں کون	ربیعہ ندرت	21
	بچھڑ گئے ہم اجالوں کے شہر میں	فرحت طاہر	27
	مُندری (انتخاب)	شفیق انجم	33
آپ بیتی	داستانِ عطاو بخشش	ڈاکٹر ثمین ذکا	35
مطالعہ گاہ	میری لائبریری سے	قانتہ رابعہ	41
ہلکا پھلکا	تیاری	شمیم فاطمہ	49
	چلتے چلتے	فرزانہ چیمہ	53
	قصہ ایک دعوتِ ولیمہ کا	شمیم لودھی	56
نہاں خانہ دل	قائد میرے خواب میں	حفصہ افضال	59
	ایک دیوار کی اوٹ	ساجدہ رفیق	61
خفتگان خاک	مہکتی یادیں	ڈاکٹر فلزہ آفاق	63
تبصرہ کتب	تحفظ ناموس رسالت	ڈاکٹر آسیہ شبیر منصوری	66
	بہترین دوست	سعدیہ اکرام	68
محشر خیال	کرامت بخاری، رشیدہ صدف، فرحت طاہر، ام عثمان، ام احمر		70
بتول میگزین	اسما صدیقی، ام حافظ، عظمیٰ آفرین		73
کچن کارنر	سحر و افطار اور عید کے پکوان	نور العین کوکب	76
منتخب کالم	فیس بک......احتیاط	سرور منیر راؤ	79

ابتدا تیرے نام سے

لُغت وہی ہے ، فقط معانی بدل رہا ہوں
تمہارے دریاؤں کا میں پانی بدل رہا ہوں
وہی ہے عیار اور زنبیل بھی وہی ہے
مگر میں بغداد سے کہانی بدل رہا ہوں
(محمد اظہار الحق)

قارئین کرام ! رمضان المبارک اور اگست ایک بار پھر ایک ساتھ موجود ہیں ۔تحریک، تنظیم اور جذبوں کے مہینے......غور و فکر اور قوتِ ارادی کے دن ......احساسِ زیاں اور اصلاحِ احوال کے شب و روز ......محبت، امن اور ہمدردی کے مدعی اور طلبگار...... جبکہ کراچی اور بلوچستان لہولہو ہیں، بدامنی اور دہشت گردی کی آگ میں جل رہے ہیں ۔امن ریلیوں کا انعقاد خوب سہی، مگر بات اب امن ریلیوں اور نعروں سے بہت آگے نکل چکی ہے ۔اب تو خود رحمان ملک نے ''انکشاف'' کیا ہے، جو دراصل اعتراف ہے کہ کراچی کے فسادات میں اسرائیلی ساختہ ہتھیاروں کا استعمال ثابت ہوا ہے جو کہ بیرونی ہاتھ ملوث ہونے کی جانب اشارہ کرتا ہے ۔انہوں نے مزید تحقیقات کے نتائج سامنے لانے کا بھی وعدہ کیا اور میڈیا کو بھی اپنے طور پر ان واقعات کی وجوہات تک پہنچنے کی اجازت دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ پاکستان کے حوالے سے صیہونی عزائم کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہیں اور جو حلقے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہیں وہ ہمیشہ سے اپنی بنیادوں پر تحقیقات کی ضرورت پر زور دیتے رہے ہیں ۔ یہ دکھ کی بات ہے کہ حکومت جو شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہے، اتنے زیادہ جانی نقصان کے بعد یہ بات تسلیم کر رہی ہے ۔اب بھی وقت ہے کہ درست سمت میں سخت اقدامات اٹھائے جائیں اور اپنے گلی کوچوں کو دشمن کے ایجنٹوں سے پاک کیا جائے ،اس سے پہلے کہ ان انکشافات اور اعترافات کا کوئی فائدہ نہ رہے ۔ پاک فوج کی جانب سے امریکہ کے مطالبات کے لئے جو سرد مہری دکھائی گئی ہے، وہ یقیناً حوصلہ افزا ہے مگر اس سے کہیں بڑھ کر کیے جانے کی ضرورت ہے ۔

کراچی کے فسادات کی تحقیقات ہوں یا کوئی اور ...... ہمارے ہاں تحقیقات کا لفظ ایک مذاق بن چکا ہے ۔ملکی سلامتی سے

متعلق سنگین سے سنگین واقعے کی بھی تفصیل دبا دی جاتی ہے یا اگر تحقیقات ہوں بھی تو نتائج داخل دفتر کر دیئے جاتے ہیں ۔ائیر بلو کے حادثے کو پورا ایک برس گزر گیا مگر واقعے کی تحقیقات سامنے نہیں لائی گئیں ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم روز قیامت ہر معاملے کی حقیقت کو صاف کھول دیں گے۔اس اعتبار سے روز قیامت تو شاید پاکستانیوں کے لئے سب سے زیادہ طویل ہوگا کیونکہ کم ازکم ہمارے ہر معاملے کو تو اُسی دن کھلنا ہوگا!

4 ستمبر اسلامی دنیا میں عالمی یومِ حجاب کے طور پر منایا جاتا ہے ۔اس دن کی اہمیت کو تسلیم کروانے میں جہاں دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کا ہاتھ ہے، وہیں مسلمان عورت کے حق حجاب کو منوانے میں ان مسلم خواتین کا حصہ بھی بہت نمایاں ہے، جو دارالکفر میں یا اسلام دشمن پالیسیوں کے تحت رہتے ہوئے بھی اپنے اس حق کو استعمال کرنے پر نہ صرف اصرار کرتی ہیں بلکہ ہر طرح کے امتیازی قوانین اور نفرت انگیز رویوں کا اعتماد سے مقابلہ کرتی ہیں۔

گزشتہ شمارہ جولائی میں بنتِ مجتبیٰ لقا صاحبہ پر لکھی گئی خصوصی تحریریں شائع کی گئی ہیں ۔ان کی صاحبزادی زہرا نہالہ نے ''بتول'' کے توسط سے ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا ہے جنہوں نے لقا صاحبہ کے بارے میں لکھا،ان کی وفات پر اظہار افسوس اور دعائے مغفرت کی اوران کے لئے اچھے جذبات کا اظہار کیا۔

آپ سب کو رمضان المبارک اور عید الفطر کی مبارک باد، دعاؤں کی درخواست کے ساتھ

صائمہ اسما

ماہِ رمضان، ماہِ مناجات

وہ نہ صرف ہمارے قریب ہے بلکہ سمیع بھی ہے...... ہروقت سننے پر تیار، دینے پر آمادہ......منتظر!

بہار کا موسم آتے ہی چمن میں روح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں اور سب کچھ سرسبز وشاداب ہو جاتا ہے سمجھئے نیکیوں کا موسم بہار آپ کے دروازے پر دستک دینے کو ہے جب رحمتوں کی گھٹائیں جھوم کر برسیں گی اور جسم انسانی کی رگوں میں تازہ لہو کی گردش سے سوئی ہوئی اُمنگیں جاگ اٹھیں گی اور سال کے گیارہ مہینے جسم وروح میں جوفساد برپا ہو گیا تھا، رحمت کا ملہ پھر بے تاب ہے اس فساد کو رفع کرنے کے لئے عشق وسرپرستی کے اس موسم میں شعورزندگی اور جنون کے جو آثار ظاہر ہونگے وہ حاضر وموجود سے بے زار کر کے اسی ایک درد سے وابستہ کر دیں گے۔ حقیقی وصال کی آرزو میں سب نفسیاتی لذتوں کو پامال کیا جائیگا اور روح لطافتوں کی جانب پرواز کرتی جائے گی، صفائی و پاکیزگی کی جانب متوجہ ہوگی۔ قرب کی خواہش گچھیا طاق راتیں جو وصل کا انتہائی لطف وسرور حاصل کرنے کے قیمتی لمحات ہیں۔ روح میں اعلیٰ ترین صلاحیتیں پیدا کرنے، اس کے جوہر خالص کو نکھارنے اور ابدی سرور اور راحت حاصل کرنے کے لئے روزہ سے سہل، آسان اور کارگر نسخہ بھلا کیا ہوسکتا تھا؟

رمضان کا اہم ترین تحفہ ''دعا'' ہے کہ عرش اٹھانے والے فرشوں کو فارغ کر کے روئے زمین کی جانب رواں کر دیا جاتا ہے کہ روزہ داروں کی دعاؤں پر آمین کہیں۔ دعا کے لئے اس سے قیمتی، اس سے زیادہ اور یاقوت والماس سے گراں ونایاب لمحات اور کون سے ہونگے؟ قرآن مجید میں بھی رمضان المبارک کے احکام و فضائل کو بیان کرتے ہوئے درمیان میں دعا کا اچانک ذکر آجاتا ہے جوان الفاظ میں ہے

وَاِذَا سَالكَ عِبَادِي عَنِّى فَاِنِّى قَرِيُب اُجِيُبُ دَعوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَستَجِيبُوْلِىْ وَلْيُوْمِنُوْ بِى (بقرہ۱۸۶)

جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں (توان سے کہہ دو) میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی پکار کو میں سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے لوگوں کو چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان اور دعا میں انتہائی گہرا ربط پایا جاتا ہے دعا کی مقبولیت کے قیمتی ترین لمحات اسی ماہ میں رکھے گئے ہیں۔ رمضان کا مبارک مہینہ عبادت کا موسم بہار ہے اور دعا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''یہ عبادت کا مغز ہے'' (ترمذی) اسی بنا پر رمضان میں کثرت سے دعا مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بندہ مومن کی تو شان ہی یہ ہے کہ وہ تنگی وفراخی ہر حال میں دستِ دعا دراز کئے رکھتا ہے اپنے ضعفِ کے مقابلے

میں اس کی قوت اپنے فقر و عجز کے مقابلے میں اس کے خزانے اور اس کی عطا پر اس کی نظر رہتی ہے رب کو بندے کی یہی ادا محبوب ہے اور ایک جگہ تو دعا نہ مانگنے کو تکبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

''اور تمہارا رب یہ کہتا ہے کہ تم مجھے پکارو میں اسکا جواب دونگا بے شک وہ لوگ جو تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہونگے (المؤمن ٦٠)

سنن ترمذی میں آپ ؐ کا ارشاد ہے کہ ''جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر غضبناک ہو جاتا ہے۔''

سنسن ابو داؤد میں حضرت سلمان ؓ سے روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا ''تمہارا رب حیا کا پیکر اور صاحبِ عزت و تکریم ہے اور وہ اس بات سے شرماتا ہے کہ بندے کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے۔''

البتہ قرآن مجید جہاں دعا مانگنے کی بار بار تاکید کرتا ہے وہیں دعا کی کچھ شرائط بھی بیان کرتا ہے۔

وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (الاعراف ۲۹)

اور پکارو اس کو خالص اس کے فرمانبردار ہو کر۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے ''بس اللہ ہی کو پکارو اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے خواہ تمہارا یہ فعل کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

روزے اور طاق راتوں کے لئے شرط بھی یہی لازم کی گئی کہ یہ عمل ''ایمان اور احتساب'' کے ساتھ ادا کئے جائیں لہٰذا رمضان میں جب جب دستِ دعا دراز کریں تو قرآن کی اس شرط ''دین خالص'' کو ضرور یاد رکھیں اور اپنا احتساب کریں کہ کیا واقعی میں نے اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر لیا ہے۔ کہیں یہ ''مکس پلیٹ'' تو نہیں؟

دین ایک ضمیمہ کے طور پر میری شخصیت کا حصہ ہے؟ معاشرے کی مروجہ غیر اسلامی اقدار اور نفس کی ناجائز خواہشات کے لئے میرا ضمیر ہر وقت بہانوں کی تلاش میں رہتا ہے اور رعایتوں کا خوگر ہو گیا ہے۔ جب ہماری بندگی اور اطاعت اللہ کے لئے خالص ہو گی تب ہی دعاؤں میں بھی اثر پیدا ہو گا۔ ہم اکثر دعاؤں کی عدم قبولیت پر مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر اس آیت پر غور کریں تو ہمیں رب کی ناراضگی کی وجہ سمجھ میں آ جائے گی۔

قبولیت دعا کے لئے ایک اہم ترین شرط ''رزق حلال ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے آپ ؐ نے فرمایا'' اپنے مومن بندوں سے اس نے کہا ہے، اے ایمان لانے والو، تم میری دی ہوئی روزی میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔ پھر آپ ؐ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو کسی مقدس مقام پر لمبا سفر طے کر کے آتا ہے پریشان حال اور غبار آلود مگر حال یہ ہوتا ہے کہ اس کا کھانا حرام، لباس حرام اور اسکا جسم حرام غذا سے پلا ہوا۔ پس اس شخص کی دعا کس طرح قبول ہو۔'' (ترمذی)

قرآن دعا کا ایک ادب یہ بیان کرتا ہے کہ اُدْعُوْرَبَّكُمْ تَفَرُّعاً (اعراف) اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے، یعنی دعا کے الفاظ میں ہی عجز و فقر نہ ہو بلکہ دعا کرنے والا اللہ کے سامنے اپنی ذلت، عاجزی، پستی اور ضعف کا

زندہ شعور اور تازہ احساس رکھتا ہو اور خوف کے ساتھ ساتھ تمام امیدیں بھی اسی رحمٰن ورحیم سے وابستہ ہوں۔

وَادۡعُوۡهُ خُوۡفاً وَطَمَعاً (اعراف)

ترجمہ: ''اسکو پکارو خوف اور امید کے ساتھ۔

بلاشبہ اللہ کے عذاب کا خوف اور اس کی بخشش کی امید ہی مومن کو راہِ اعتدال پر قائم رکھتی ہے۔ اگر صرف امید ہو تو وہ اسے نڈر اور بے پروا بنا دیگی اور اگر صرف خوف ہوگا تو وہ دل کو شکستہ اور غمگین بنا دیگا۔ قرآن کریم اللہ کے خاص الخاص بندوں انبیائے کرام کی دعاؤں کی جو کیفیت بیان کرتا ہے کہ ہمیں اپنی دعاؤں کو اور اپنی تمام عبادات کو اسی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے کہ نیکی کے کاموں میں خلق خدا کی بھلائی کے لئے ہمارے اندر کتنی تڑپ ہے، نیکی کے کتنے مواقع ہم معمولی سمجھ کر ضائع کر دیتے ہیں، بندگانِ خدا کی گمراہی و بے عملی ہمارے ایمان کے لئے کبھی تازیانہ نہیں بنتی۔ نہ ہم کبھی خلق خدا کی اصلاح کے لئے اس درجہ بے چین ہوتے ہیں نہ یہ ہماری دوڑ دھوپ کے لئے قوت محرکہ بنتی ہے۔ نہ ہمیں اس مثالی اتفاق پر مجبور کرتی ہے جس کی تعلیم ہمارے پیارے نبی ﷺ اور اصحابہ کرامؓ کے اسوہ سے ہمیں ملتی ہے سورہ سجدہ کی ۱۶ویں آیت میں ارشاد ہے۔

''ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

یعنی اللہ کے بندوں اور اقامت دین کی راہ میں رزق خرچ کرنا درحقیقت ان کی دعاؤں کے اخلاص کا مظہر ہے قرآن کی اس آیت کی رو سے۔ لہٰذا اگر ہم اپنی دعاؤں کے نتائج وثمرات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے خالص تدبیر یہی اختیار کرنا ہوگی۔

حضرت زکریاؑ کی دعا کا قرآن ان الفاظ میں تذکرہ کرتا ہے ''جب کہ انہوں نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا'' (مریم۳)

لفظ چپکے چپکے سے تصور کیا جاسکتا ہے کہ جسے ہم پکار رہے ہیں وہ درجہ قریب ہے ہمارے نہ صرف قریب ہے بلکہ سمیع بھی ہے۔ ہر وقت سننے پر تیار، ہر وقت دینے پر تیار، ہر لحہ منتظر کہ بندۂ خاکی کب اس کی رحمتوں کی سمت پلٹے کب اس سے مغفرت طلب کرے اور اللہ کے قرب کو محسوس کرنے کے لئے رمضان کی ان ساعتوں سے زیادہ قیمتی اور کوئی بھی لمحات نہیں میسر ہوسکے۔ نصف شب کے بعد بیداری اس سمیع وقریب سے سرگوشیاں کرنے کا نادر موقع ہے۔ جب ہم اس بات کی توفیق طلب کر رہے ہیں کہ ہم بہترین عبادت اور دعا کرسکیں اور وہ دعا مستجاب بھی ہو تو اس امر کا ہمیں بہرحال التزام کرنا ہوگا جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا بندے کی دعا اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک وہ کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اور جب تک وہ جلدی نہ مچائے۔'' قطع رحمی اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ لہٰذا اگر ہمیں قبولیت دعا کی خواہش ہے تو کم از کم رمضان کے ان روز وشب میں ہم ضرور اس بات کا جائزہ لیں کہ رحم کے رشتوں کے معاملے میں ہم نے کس درجہ اپنی ذمہ داریاں پوری کیں۔ رحم کے رشتوں کو جوڑنے کے لئے ہم نے کیا

قربانیاں دیں۔ دجالی فتنوں کے اس دور میں صرف ہمارے بچے نہیں بلکہ بہن بھائیوں اور شوہر کے بہن بھائیوں کے بچے بھی ہماری توجہ کے محتاج ہیں۔ ان کا تزکیہ اور تربیت بھی کسی درجہ میں ہماری ذمہ داری کا عنوان ہے ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں برکت ہو وہ رحم کے رشتوں کو جوڑے۔'' آج ہم جس مہنگائی کا رونا روتے ہیں جس رزق کی کمی اور مال ہو یا اوقات برکت کی کمی کو محسوس کرتے ہیں ہمیں ضرور اس ماہِ احتساب میں سوچنا چاہیے کہ کہیں نعمتوں کے چھن جانے کی وجہ اور برکت اُٹھ جانے کی وجہ ہماری رحم کے رشتوں کے ساتھ بے نیازی تو نہیں ہے۔ علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ''تین لوگوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں حرام کھانے والا۔ غیبت کرنے والا اور وہ شخص جس کے دل میں اپنے مسلم بھائی کے لئے بغض یا حسد ہو'' اس ماہ مبارک میں دعا سے قبل اپنے شیشہ دل کو بغض اور حسد کے غبار سے ضرور پاک کرنے کی کوشش کریں اور ابراہیم بن ادھم کے درج ذیل قول کی روشنی میں اپنی دعاؤں کا جائزہ ضرور لیں۔

''تم نے خدا کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہ کیا۔ خدا کی کتاب پڑھی مگر اس پر عمل نہ کیا۔ ابلیس کے ساتھ دشمنی کا دعویٰ کیا مگر دوستی قائم رکھی۔ رسولؐ سے محبت کا دعویٰ کیا مگر سنت کو چھوڑ دیا۔ جنت کی خواہش کی لیکن عمل نہ کیا۔ جہنم کا خوف کیا لیکن گناہوں سے باز نہ آئے۔ موت کو حق جانا مگر تیاری نہ کی۔ لوگوں کے عیب گنتے رہے مگر اپنے عیوب پر نظر نہ پڑی۔ خدا کا دیا ہوا رزق کھاتے رہے مگر شکر گزار نہ بنے میتوں کو دفن کیا مگر عبرت نہ پکڑی تو پھر تمہاری دعائیں کیسے قبول ہوسکتی ہیں۔''

عظمیٰ عمران

ماہِ صیام کی برکات اور ہمارے معمولات

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا:

''ابن آدم کا ہر عمل اس کے لئے کئی گنا بڑھایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک نیکی دس گنی تک اور دس گنی سے سات سو گنی تک بڑھائی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کا معاملہ اس سے جدا ہے کیونکہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔'' (متفق علیہ)

نیکی کیلئے رغبت اور آمادگی اس حدیث سے زیادہ اور کس سے ہو گی کہ آپؐ نے فرمایا۔

''جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور وہ جن جو برائی پھیلانے پر کمر بستہ رہتے ہیں، باندھ دیے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور اے برائی کے طالب رُک جا۔'' (ترمذی)

نبی پاکؐ کا معمول تھا کہ وہ ماہِ شعبان ہی میں رمضان کی تیاری شروع کر دیتے تھے۔ آپؐ کی سنت کے اتباع میں ہم بھی اُن فوائد و برکات کی یاد دہانی کر لیتے ہیں جو ہم روزے سے حاصل کرتے ہیں۔

اطاعتِ الٰہی

روزہ میں ہم ان جائز چیزوں سے بھی رک جاتے ہیں جن کو عام حالات میں ہم ترک نہیں کرتے۔ اللہ کی مرضی کے بغیر پانی کا ایک قطرہ حلق سے نہیں اتارتے۔ ایسا ہم اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے جذبے کے تحت کرتے ہیں۔ اللہ کی حقیقی اطاعت یہ ہے کہ جس حد تک جس بات کی اجازت ہو اسی حد تک رہا جائے اور جہاں حد ختم ہو جائے وہاں رک جائیں۔ روزہ اس کی بہترین تربیت کرتا ہے۔

تزکیہ نفس

روزہ نفس کو کنٹرول کرنا سکھاتا ہے بھوک، پیاس اور شہوت سے رکنے کا مطلب اپنے نفس کو اس بات کا عادی بنانا ہے کہ ہر برائی سے خود کو اسی طرح روکنا ہے جس طرح رمضان میں ہم کھانے پینے سے رک جاتے ہیں۔ اسی لئے نبی پاکؐ نے فرمایا ''جس نے روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔''

مدد اور ہمدردی کا جذبہ

روزہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ امیر شخص غریب اور تنگ دست کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ بھوک سہنے سے بھوک کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اس لئے رمضان میں ہم دیکھتے ہیں کہ انفاق کے لئے دل زیادہ آمادہ ہوتا ہے۔ مہمان نوازی، سخاوت اور امدادِ باہمی کی ایک فضا نظر آتی ہے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ ''رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا مہینہ ہے۔''

رمضان میں ہمارے معمولات

یہاں مختصراً ہم ان معمولات کا تذکرہ کر لیتے ہیں جن پر عمل کرنے کی ہمیں رمضان المبارک میں کوشش کرنی چاہیے۔ یہ معمولات احادیث سے اخذ شدہ ہیں۔

- صلوٰۃ حاجت سے آغاز کریں اور اللہ سے نیکی کی توفیق مانگ لیں۔
- آغازِ رمضان پر اپنی تحریری پلاننگ کر لیں۔
- کم از کم ایک بار قرآنِ پاک کی تلاوت اور مکمل ترجمہ سے

خود کو گذاریں ۔ ہو سکے تو تفسیر سے مخصوص سورتوں کا مطالعہ کریں (''رمضان قرآن کا مہینہ ہے'')

o نمازِ تراویح میں اگر خواتین کا انتظام ہو تو اس میں شرکت کریں۔

o فرض نمازوں کے ساتھ نوافل کا اہتمام (''جس نے اس ماہ میں کوئی نیکی کی تو اس کا ایسا اجر ہے جیسے دوسرے دنوں میں فرض ادا کیا'')

o استغفار کو معمول بنالیں۔شعوری طور پر ہر روز اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں (''جو شخص استغفار کا التزام کرے گا، اللہ اسے ہر تنگی سے چھٹکارا اور ہر مشکل سے نجات عطا فرمادے گا۔'')

o عشروں کی دعاؤں کو یاد کریں اور ورد کرتے رہیں۔لکھ کر کسی نمایاں مقام پر لگا دیں تا کہ خود بھی یاد رہیں اور دوسروں کو بھی ترغیب ہو (''یہ وہ مہینہ ہے جس کے آغاز میں رحمت درمیان میں مغفرت اور آخر میں دوزخ سے رہائی ہے۔'')

o اہتمام سے سحری کرنا ۔(''سحری کھانے میں برکت ہے۔'')

o سحری میں کھجور، دودھ اور شہد کا استعمال کریں (''بہترین سحری کھجور ہے۔'')

o سحر اور افطار میں دوسروں کو شریک کرنا ۔(''جس نے کسی روزہ دار کا روزہ کھلوایا تو وہ اُس کے لئے گناہوں سے مغفرت اور اس کی گردن کو دوزخ کی سزا سے بچانے کا ذریعہ ہے۔'')

o اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کے راستے میں خرچ کرنا۔صدقہ ،زکوٰۃ،فطرانہ اور گناہوں کے کفارے کے طور پر انفاق کرنا (''رسولؐ اللہ کے انفاق فی سبیل اللہ میں رمضان کے مہینے میں ہواؤں کی سی تیزی آ جاتی تھی۔'')

o گھر میں کام کے لئے آنے والے ملازمین سے ہلکی خدمت لینا۔(جس نے رمضان میں اپنے غلام سے ہلکی خدمت لی، اللہ اسے بخشش دے گا۔'')

o غرباء و مساکین کی ہر ممکن مدد خواہ ایک روٹی ہی کیوں نہ ہو۔ (''آپ ہر سائل کو رمضان میں کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے۔'')

o آخری عشرے کی طاق راتوں میں عبادت کرنا (''لیلۃ القدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس تاریخوں میں۔'')

o آخری عشرے کا اعتکاف کرنا ۔(''نبی کریمؐ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک اللہ نے آپؐ کو بلا لیا۔'')

o رمضان کی آخری رات کو خصوصی دعائیں کرنا۔(''مزدور کو مزدوری اُس وقت دی جاتی ہے جب وہ اپنا کام مکمل کر لیتا ہے۔'')

o اللہ تعالیٰ سے بہت سی دعائیں کرنا یقین اور عاجزی کے ساتھ ۔(''اے نیکی کے طالب آگے بڑھ، اے برائی کے طالب رک جا۔'')

o کم از کم دس افراد کو متعین کر کے کسی ایسی نیکی پر ابھارنا جس پر وہ پہلے عمل نہیں کرتے تھے (''تمہارا اپنے بھائی کو اچھی بات بتا دینا بھی صدقہ ہے۔'')

o قرآن کی دعوت کو پھیلانے کا اہتمام کرنا۔ درسِ قرآن، دورہ قرآن کروانا۔

یہ چند ایک معمولات ہیں جنہیں ہم اپنے روز مرہ کا حصہ بنالیں تو ان شاء اللہ یہ رمضان المبارک ہمیں اپنے رب سے قریب کرنے اور اپنی آخرت کو سنوارنے اور اپنے ایمان کی تکمیل کرنے کا باعث بن جائے گا کیونکہ آپؐ کا ارشاد ہے۔''جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ لوتو یا اس کے وہ سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جو اس سے پہلے سرزد ہو گئے ہوں گے۔'' (متفق علیہ)

مایوس دلوں کے لیے اُمید

اپنے رب کی عنایات کو پہچاننا ہوتو اپنی ذات کا عرفان ضروری ہے اور اپنی ذات کا عرفان یہی ہے کہ اپنے مقام و مرتبہ سے نہ گرا جائے۔ مایوسی کے اندھیروں میں گم نہ ہوا جائے۔

اللہ رب العزت نے اپنی اشرف المخلوق تخلیق، حضرتِ انسان کو، اس کے مرتبہ و مقام پر قائم رہنے کے بہت سے گر سکھائے اور اس مقام و مرتبہ سے گر جانے والے خطرات سے آگاہ کرنے کے انتظامات بھی فرمائے جس میں انسان کا ضمیر، جو فطری استاد ہے اور انبیاء کو مبعوث فرمایا جو حق و باطل، سچ اور جھوٹ، نفع ونقصان کا ادراک عطا فرمائے تھے۔ انسان کے ازلی دشمن کی شخصیت کو اُجاگر کیا، اس کے ہتھکنڈوں، چالوں سے آگاہ کیا۔ انسان کی کمزوریوں کی وضاحت کی کہ جس کو نشانہ بنا کر اُس کا دشمن اس پہ حاوی ہو سکتا ہے۔

قصہ تخلیقِ آدمؑ میں ایک کردار شیطان یا ابلیس تھا جس کے رویہ، ردعمل اور نافرمانی، آدمؑ سے حسد، جھوٹی انا، تکبر نے اسے ''ابلیس'' بنا دیا اور قیامت تک آدمؑ کی اولاد اور ابلیس ایک دوسرے کے دشمن رہیں گے۔

''ابلیس'' کے لفظی معنی ہیں ''انتہائی مایوس''۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس، جنت میں داخلہ سے مایوس، انسان کے مقام و مرتبہ (یعنی اشرف المخلوق) یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی مقام حاصل کر لینے سے مایوس۔

مایوسی کا احساس کسی کو بھی پست ہمت بنا دیتا ہے اور انتقامی رویہ اس کا مزاج بن جاتا ہے۔ حسد اور تکبر کا بھی یہی نتیجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جا بجا ارشاد فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، تم دونوں ایک دوسرے کے ازلی دشمن ہو۔ تفہیم القرآن جلد اول میں مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''یعنی انسان کا دشمن شیطان اور شیطان کا دشمن انسان۔ شیطان کا دشمنِ انسان ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ اسے فرما نبرداری کے راستے سے ہٹانے اور تباہی میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ رہا انسان کا دشمنِ شیطان ہونا تو فی الواقع انسانیت اس سے دشمنی ہی کی متقاضی ہیں۔ مگر خواہشاتِ نفس کے لئے جو ترغیبات وہ پیش کرتا ہے ان سے دھوکا کھا کر آدمی اسے دوست بنالیتا ہے۔ اس طرح کی دوستی کے یہ معنی نہیں کہ حقیقتاً دشمنی، دوستی میں تبدیل ہوگئی ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہے کہ ایک دشمن، دوسرے دشمن سے شکست کھا گیا، اس کے جال میں پھنس گیا۔''

''ابلیس'' چونکہ خود رحمتِ خداوندی سے مایوس ہو چکا ہے، راندۂ درگاہ ہو چکا ہے، اب انسان سے دشمنی اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اسے بھی اللہ کی رحمت سے مایوس کر دے۔ کسی بھی انسان کا خیر سے مایوس ہونا اُس کو زندہ درگور کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ

کی رحمت زمین وآسمان اور ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوتے ہیں ......انسان اگر چہ وہ مسلم ومومن نہ ہو، جب تک مایوسی سے دور رہتا ہے زندگی کا لطف اٹھاتا ہے ۔اگر وہ مومن ومسلم ہو تو اس کے لئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھائی کی امید رہتی ہے ۔اللہ تعالیٰ کا دامن پکڑے مومن ہر قسم کے نشیب وفراز میں معتدل ومتوازن شخصیت رکھتا ہے ۔نہ مایوس ہے نہ متکبر ۔آج ہم جس معاشرے میں سانس لے رہے ہیں وہ دو انتہاؤں کی طرف رواں دواں ہے اور اس کی رفتار میں تیزی آرہی ہے۔

مایوس کردار (شیطان ،ابلیس) اپنی مایوسی کا انتقام ہر طبقے کے مسلمان سے انفرادی واجتماعی طور پر لے رہا ہے...... خیر سے مایوسی ،اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی ،مثبت تبدیلی سے مایوسی ،نیکی پہ کار بند رہنے سے مایوسی ،زندگی کی اعلیٰ اقدار سے مایوسی ،اپنی کوششوں کی کامیابی سے مایوسی۔

ہر طرف مایوسیوں کا دھواں پھیل رہا ہے ۔معاشرتی رویے ،معاشی تگ ودو زندگی کی گاڑی کھینچنے کی سکت ،سانس کی آمد وشد بھی مایوسی کا پیغام دیتی نظر آتی ہے۔

جب مومن پریشان ہوتا ہے تو شیطان خوش ہوتا ہے۔ مومن مایوس ہوتا ہے تو وہ خوش ومطمئن ہوتا ہے...... مایوسی جس نہج کی بھی ہو ناشکری ہے ۔اللہ تعالیٰ کے حاکمِ مطلق ہونے قادر مطلق ہونے کی نفی ہے ۔اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ سے انکار چاہے قول سے ہو یا عمل سے یا رویے سے ،کفر ہے اور شیطان کی انسان سے یہی تو جنگ ہے کہ وہ مومن کو اللہ تعالیٰ سے دور کرنا چاہتا ہے کہ

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

ایک ڈوبنا نہیں چاہتا اور دوسرا پر عزم ہے کہ ڈبو کر ہی چین آئے گا......اس کشمکش سے کسی کو مفر نہیں کہ یہی ''امتحان '' ہے۔

آج ہم جس ''ہتھیار'' سے نبرد آزما ہیں ،شیطان کے جس طریقہ واردات سے ہم خود کو کمزور و ناتواں کرتے جارہے ہیں اس سے آگاہی ہی لازمی ہے اور وہ ہے ''مایوسی ''۔

ایک انسان اگر مایوسی کا شکار ہو جائے تو بھی اس کے ساتھ بہت سی زندگیاں متاثر ہوتی ہیں ۔مگر جب ایک قوم مایوسی کا لبادہ اوڑھ لے تو شیطان کامیابی سے پھولا نہیں سماتا ،رقصِ ابلیس میں قوم کے نام نہاد لیڈر بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

قوم کو مایوس کرنے میں ابلیس اور اس کے کارندے جن میں میڈیا سر فہرست ہے ،پیش پیش ہیں۔

قوم کو بیدار کرنے ،مایوسی کے اندھیروں سے روشنی کی طرف لانے کے لئے کیا کرنا چاہیے۔

سب سے پہلی بات کہ اپنے دشمن کو دشمن ہی جاننا اور اس کی چالوں سے مقابلہ کرنے کی تیاری کرنا ہے۔

ہم اپنے حریف کو ناخوش کرنے کے لئے وہ کام کرتے ہیں جس سے اُس کو تکلیف ہو ،مایوسی ہو ہماری ایمانی کیفیت کی مضبوطی سے شیطان کو سخت تکلیف پہنچتی ہے ۔جب ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت اچھی امیدیں رکھتے ہیں تو وہ نا

خوش ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جتنا اچھا گمان رکھیں گے شیطان کو اتنی ہی تکلیف ہوگی۔ ''مومن نیکی کر کے دل میں تسکین محسوس کرتا ہے تو شیطان کو تنگی محسوس ہوتی ہے۔''

اس طرح ہر عبادت، خلوصِ نیت سے کی گئی ہر نیکی چاہے وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع میں کی جاتی ہے تو شیطان کو رنج پہنچتا ہے اور وہ اپنے رنج کو دور کرنے کے لئے مومن کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے اور وسوسوں کی وجہ سے انسان اپنے اعمالِ صالحہ میں، متردد ہوتا ہے تو شیطان کا دل خوش ہوتا ہے۔

آیئے اس رمضان المبارک میں اپنے ازلی دشمن کا دل رنجور کرنے کے طریقے تلاش کریں۔ ہم اپنا دل خوشی، اطمینان سے بھر لیں۔ تسکین قلب حاصل کریں اور شیطان کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں۔ آج جس مایوس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں اس میں امیدوں کے دیئے جلائیں تا کہ ان کی روشنی میں ہماری آئندہ نسلیں صراطِ مستقیم پر گامزن رہ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں روزے فرض کرنے کی ایک تربیتی مشق بلکہ لازمی مشق یہی بتائی کہ'' تا کہ تم پرہیزگار بن سکو''

(لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ کہ تم تقویٰ اختیار کرو (بقرہ)

تقویٰ کے الفاظ کی جڑ (Root) وق ی ہے (وقایہ)

اس کے معنی ہیں:

کسی چیز کو سنبھال کر رکھنا، اس کی حفاظت کرنا، خطرے سے بچانا، گویا اتقیٰ کا مطلب ہے اپنے آپ کا اور بھی زیادہ خیال رکھنا، زیادہ حفاظت کرنا، مثلاً (اتقی المطر) بارش سے بچنے کی تدبیر کرنا۔

عربی کا لفظ ''تقویٰ'' عبرانی زبان کے لفظ تقواہ (Tikvah) سے کافی قریب ہے۔ جس کے معنی ''امید'' کے ہیں۔

آیئے ہم عہد کریں کہ اس سال رمضان المبارک میں اپنے آپ کو مایوسی سے محفوظ کرنا، مایوسی کے خطرے سے بچانا ہے، شیطان کی مایوس کرنے والی چالوں، وسوسوں سے محفوظ رکھنا اور امید کا دیا روشن رکھنا ہے تا کہ ہمارا دشمن مایوس ہو، غم زدہ ہو، شکست خوردہ ہو جائے۔

پاکستان اور امت مسلمہ جس قسم کے حالات سے نبرد آزما ہے اُس پر ہر حساس دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ زندگی کا ہر پہلو اندھیروں میں ڈوبتا محسوس ہوتا ہے۔ ہمیں ہر طرح سے اپنا بچاؤ کرنا ہے وہ دنیا کا عذاب ہو یا آخرت کا، شیطان کی چالیں ہوں یا اپنے نفس کی کمزوریاں۔

ہر فرد اگر ملت کے مقدر کا ستارہ ہے تو پھر ہر ستارہ اپنی روشنی کو بجھنے کیوں دے! ہر ستارہ روشن ہو جائے گا تو افق پہ روشنی ہی روشنی ہوگی۔ ہم اپنے آپ سے عہد کریں کہ اپنی ہر معمولی سی نیکی کو بھی اپنے لئے وجہ راحت جاں بنانا ہے۔ مومن کو نیکی خوش کرتی ہے تو وہ مومن ہے۔ برائی کر کے اس کا دل اداس پریشان ہوتا ہے تو وہ مومن ہے (زادراہ)۔ ہم بڑے بڑے کام نہیں کر سکتے تو اپنے شیطان کو اتنا سا غم تو پہنچا سکتے ہیں۔ رمضان المبارک کا استقبال، چاند نظر آنے کی خوشی اس مہم کا پہلا مرحلہ ہے۔ ہمیں اپنی نیکی کا ادراک ہوگا

،خوشی کا شعور ہوگا تو دل میں سرور بھی آئے گا۔

جب مومنوں کے دل ایمان کی اُس کیفیت کے ساتھ رمضان المبارک کے چاند کو دیکھتے ہیں، اور اس کا انتظار کرتے ہیں تو وہ دل میں خوشی محسوس کرتے ہیں جیسے سمندر میں جوار بھاٹا آتا ہے۔مومنوں کے ایمانی سمندر میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور رمضان المبارک کی ساعتیں اس جوار بھاٹا میں تندو تیزی لانے کا موجب ہوتی ہیں۔جوں جوں رحمتوں کے حصول، مغفرت و آگ سے رہائی کا مرحلہ آتا ہے ایمانی سمندر میں جوش و جذبہ بڑھتا جاتا ہے۔

نیکی کر لینے، اس کے مقبول ہونے کا یقین کیا کوئی کم خوشی ہے؟ چاند کا انتظار ہی ہماری خوشی کا آئینہ دار ہے۔ ہمارا مشن شیطان کو ناخوش کرنا ہے اس لئے اپنی ہر نیکی پہ خوش ہونیکا شعوری ادراک پیدا کیجئے، اپنی نیکیوں کو خود باور کیجئے چھوٹی چھوٹی نیکیاں مل کر انبار بن جائیں گے۔ چھوٹی چھوٹی خوشیاں شیطان کے سر پہ خاک ڈالیں گی۔

سحری کے وقت کھانے کا مینیو سوچنا، پھر اس کا انتظام کرنا......تراویح کا اہتمام...... ہر قدم، ہر رکعت، ہر ذکر کو محسوس کیجئے دل سے کہ یہ آپ کی خوشی و راحت کا سامان بن رہا ہے۔اللہ تعالیٰ محبت سے پیار سے اپنے بندوں کے افعال و اذکار کو دیکھ اور سن رہا ہے اور جواب بھی دے رہا ہے۔ الارم لگا کر سونے کے باوجود بار بار اُٹھ کر گھڑی دیکھنا کہ کہیں سحری کا وقت نہ نکل جائے......شاید الارم نہ بجے یہ عمل رب کو کس قدر پیارا لگ رہا ہوگا کہ میری خاطر اٹھنے کے لئے میری بندی کتنی فکر مند ہے! کیا اپنے پیارے محبوب، محبوبِ حقیقی کا مسکرانا محسوس نہیں ہوگا؟ ضرور ہوگا دل میں اُسی ذات کی محبت جو ہے۔کچی نیند میں اٹھ کر سب روزہ داروں کے کھانے کا انتظام کرنا، سوتوں کو جگانا، ہر چیز مہیا کرنا، جب کھانے میں کسی چیز کی کمی کا احساس ہونے پر اپنی بھوک، اپنی ضرورت کو تج دینا۔کیا وہ خالق و رزاق اس عمل پہ شاباشی نہیں دے گا؟ آخر یہ ایثار اس کی خوشنودی کی خاطر تو کیا ہے نا!

نیند کے غلبہ کے باوجود، نماز کا انتظار کرنا۔تلاوت قرآنِ پاک، بچوں کے سکول کی تیاری، گھر کے کام کاج، یہ سب کس کے لئے؟ اپنے رب کو خوش کر کے تسکین قلب و جاں کے لئے ہے......اور پھر ہمارا مشن ہے شیطان کو ناخوش کرنا ہے۔دل کی ایمانی کیفیت پہ اپنی خوشی کو خود تلاش کرنا بھی ایک مسرور کرنے والا عمل ہے۔''میں نے یہ کام اپنے پیارے رب کے لئے کیا ہے اسیقین کو دہرا کر اپنے دشمن کو مایوس کیا جائے۔سارا دن، نوکروں کے ساتھ حسن سلوک، نرمی، زبان کی حفاظت، دورۂ قرآن پہ جانا اس کے راستے کا ہر قدم......کیا اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہیں؟ ہر حرف، ہر سوچ، ہر جذبہ پیارے رب کے علم میں ہے اور وہ ان مبارک گھڑیوں میں اجر میں اضافہ فرما دیتا ہے۔کم دام دے کر دوگنی سے بھی زیادہ بالکل خالص چیز خریدنے پر جو خوشی ہوتی ہے، کیا یہ خوشی اس سے بھی زیادہ نہیں؟

دن بھر حفاظت کرنا، اپنے افکار کی، اعمال کی، شیطان کہیں نقب نہ لگا لے۔غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتِ واسعہ سے معافی کی امید رکھنا۔اللہ تعالیٰ کی رحمتِ واسعہ کو

اپنے چاروں طرف چھائے ہوئے محسوس کرنا ۔ ایک ایسی چھتری کی طرح جس سے ہرموسم کے بُرے اثرات سے پناہ مل جاتی ہے ۔یہی چھتری ہمیں شیطان کی طرف سے پھیلائی ہوئی بددلی، مایوسی سے بچائے گی ۔

روزے کے ساتھ افطاری کا انتظام کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے یقین کیجئے کہ آپ کے ہاتھ کی ہر حرکت، آپ کے وقت کا ہرلمحہ اللہ کی نظر میں ہے اور اجر دینے کے لئے اس کے پاس ایسے خزانے ہیں جن میں کمی نہیں آتی ۔

آپ کا ہرعمل صدقہ ہے، ہروہ پیسہ جو اللہ کی راہ میں دیا ، ہروہ کلمہ جو زبان سے دوسروں کی خیرخواہی کے لئے نکلا، ہر وہ قدم جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت کے لئے اٹھا، ہروہ نگاہ جو بصیرت لئے ہوئے تھی، ہروہ خیرخواہی جو کسی بھی جاندار سے کیکسی بھی شکل میں......آپ کے لئے رحمت کا باعث بنے گی ۔اللہ کی رحمت کی برستی بارش کے احساس کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے ۔اللہ کی رحمت کی بارش سے ایمان کی ہر وہ زمین بارآور ہو جاتی ہے ۔شیطان مردہ دلوں میں بستا ہے ۔ زندہ دل ایمان کی تازگی رکھتے ہیں ۔تازگی اور بشاشتِ ایمان، رب کائنات کا قرب عطا کرتی ہے اور رحمان کی محبت سرور، شیطان کا منہ چڑاتا ہے ۔ وہ اپنے سر میں خاک ڈالتا ہے اپنے حربوں میں ناکام ہونے پر جل بھن جاتا ہے ۔

رمضان المبارک کے ہرعشرہ کو احساسِ زندہ کے ساتھ گزار دیں گے تو عروج آدم خاکی سے ہرطرف لرزہ طاری ہونے لگے گا۔مغفرت کا عشرہ ہماری مایوسی کو مزید ختم کرنے کا باعث ہوگا۔ وہ رب رحیم ہے، ہمارے اعمال کی کمی کوتاہی کو اپنے کرم وفضل سے ڈھانپ دے گا اور پھر آگ (جو شیطان اور اس کے پیچھے چلنے والوں کا ٹھکانہ ہے) سے ہمیں نجات مل جائے گی ۔

انفرادی نیکیوں کے قبول ہو جانے کی استدعا رب کائنات کے حضور پیش کرتے ہوئے قوم کی اجتماعی نیکیوں کو بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے ۔ اپنی نیکیوں کا حوالہ دے کر رب سے مناجات کرنا، مشکل گھڑی دور کرنے کی التجا کرنا ہمارے نبی ﷺ نے سکھایا ہے ۔ اپنے انفرادی گناہوں کی معافی مانگنے کے ساتھ قوم کے گناہوں کی معافی بھی مانگنا ہم پر واجب ہے کہ ہم بھی اس قوم کا حصہ ہیں ۔کوئی نہیں جانتا نیکیوں کے پلڑے میں کسی ایک نیکی سے وزن بڑھ جائے ۔ ہم کیوں نہ اپنے حصے کی نیکیاں قوم کی فلاح کے لئے ڈالتے جائیں ۔ہم ان لوگوں میں شامل ہوں جو انسانیت کے لئے رحمت کا باعث بنتے ہیں اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم پر عذاب کو ٹالتا رہتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس رمضان المبارک میں اپنی پہچان کروا دے ۔

من عرف نفسه فقدعرف اپنے رب کی عنایات کو پہچانتا ہو تو اپنی ذات کا عرفان ضروری ہے اور اپنی ذات کا عرفان یہی ہے کہ اپنے مقام و مرتبہ سے نہ گرا جائے ۔ مایوسی کے اندھیروں میں گم نہ ہوا جائے ۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا کہ ''اے نبی کہہ دو، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے

مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے وہ ''غفورالرّحیم ہے۔'' (الزمر)

بے شک ہمارا رب نیکی کی قدر کرنے والا، اس پہ ہماری توقعات سے زیادہ اجر عطا فرمانیوالا ہے۔ وہ ''شب قدر'' جیسی رات عطا کر کے اپنے بندوں کو عنایات سے مالا مال کرنے والا ہے۔ وہ نفل کو فرض اور فرض کا ستر گنا ثواب عطا کر کے ہمیشہ حوصلے بڑھانیوالی ذات ہے۔ دلوں کو زندہ رکھنے کے لئے قرآن پاک جیسی نعمت عطا کرنے والی مہربان ذات ہے۔ اسی چیز کی خوشی سب خوشیوں پہ حاوی ہے۔ ہر روز اس کلام کو پڑھنا، سننا، سمجھنا، یاد کرنا، عمل کرنا، دوسروں تک پہنچانا ...... خوشیوں کا ایسا لازوال خزانہ مومنوں کے پاس ہے جس کی کوئی مثال پوری دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ جس انسان اور جس قوم کے پاس اتنی عظیم دولت ہو وہ کیسے دوسروں سے زیر ہو سکتی ہے۔ ضرورت اس بات کا احساس و ادراک کرنے کی ہے۔

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دو بارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

سب رنگ تیرے ہیں

زمین کو بنایا ہے زرخیز تو نے
پہاڑوں کو سختی عطا تو نے کی ہے
رکھی تو نے سورج کی کرنوں میں حدت
تو یہ چاندنی نرم مسحور رکھی
درختوں کو پتوں کا ملبوس دے کر
ہواؤں کا آنچل عطا کر دیا ہے
گلوں کو دیے پیرہن کیسے کیسے
انہیں کیسے کیسے خدو خال بخشے
بھرا جام خوشبو سے ہر پنکھڑی کی!
دیا بادلوں کو سفر کا سلیقہ
کبھی بکھرے بکھرے کبھی ہیں منظّم
کبھی ہلکے پھلکے کبھی بھاری بھرکم
مساموں سے پھوٹے کبھی ان کے رم جھم
جگر سے کبھی بہہ اٹھے ان کے قلزم
ہوا ، دھوپ ، پانی سے بدلا ہے کیا کچھ
اسی نرم مٹی سے نکلا ہے کیا کچھ
زمیں آسماں تک ......
یہاں سے وہاں تک ......
تیرا ہی کمالِ ہنر بولتا ہے !
(سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم)

شمیم فاطمہ

غزلیہ

ہیبت سے تری دل ہو نگوں سار تو ہو بات
خلوت ہو ہر اک غیر سے بیزار تو ہو بات

اترے تُو مرے شہر میں جن لمحوں کے ہم دوش
میں روک لوں ان کو بصد اصرار تو ہو بات

الفاظِ دعا اوڑھ لے بے نام خموشی
ہر حرف سے اٹھے تری مہکار تو ہو بات

ویران ہے افکار کا دامانِ تدبّر
ہر گو شے میں استادہ ہوں اشجار تو ہو بات

سورج کو ردا ابر کی پہنائے یہ موسم
ساون کے نظر آئیں جو آثار تو ہو بات

برحق کہ تو سنتا ہے سوالی کی لجاجت
میں لا بھی سکوں لہجہ اظہار تو ہو بات

کیا لوگ تھے جو مثلِ صبا گزرے یہاں سے
یہ رہروِ دل بھی ہو سبک بار تو ہو بات

اُم عبدِ منیب

غزل

شہر وفا میں تیرے طلبگار ہم بھی تھے
ہاں جرمِ عاشقی کے سزاوار ہم بھی تھے

بازار کونسا تھا جہاں آگئے تھے ہم
وہ جنس کیا تھی جس کے خریدار ہم بھی تھے

اس دھوپ کے سفر میں اکیلا نہیں تھا وہ
محرومِ لطفِ سایۂ دیوار ہم بھی تھے

جس داستاں کا مرکزی نقطہ تھی کائنات
اس داستاں کا ثانوی کردار ہم بھی تھے

جس آئینے میں اُترا ترا خواب خواب عکس
اس آئینے میں صورتِ تکرار ہم بھی تھے

ہم پر وفائے عہدِ اَناالحق بھی فرض تھی
اس واسطے کہ محرمِ اسرار ہم بھی تھے

یہ اور بات وقت نے ویران کر دیا
دل کے قدیم شہر کا بازار ہم بھی تھے

کرامت بخاری

غزل

اک غم معتبر کا سناٹا
بن گیا عمر بھر کا سناٹا

اِک تو منزل کا کچھ سراغ نہیں
اس پہ یہ رہ گزر کا سناٹا

چیخ بھی بے صدا نکلتی ہے
اُف یہ کربِ ہنر کا سناٹا

مجھ سے مانوس ہو گیا بے حد
میرے دیوار و در کا سناٹا

مسکراہٹ میں اُس کی سو نغمے
اور ادھر چشمِ تر کا سناٹا

میری ہم عمر میری تنہائی
میرا ہم سِن سفر کا سناٹا

اب تو اشعار بن کے غزلوں میں
گونج اٹھتا ہے سر کا سناٹا

کرامت بخاری

غزل

ڈھونڈ کرلایا ہوں اِک موسم نیا
میں نیا ہوں اور میرا غم نیا

مبتلا ہے ابتلا میں آدمی
ہورہا ہے شہر میں ماتم نیا

موت کا ماحول ہے چاروں طرف
زندگی پیدا کرے دم خم نیا

اپنی اقلیم محبت کے لئے
ہم بنائیں گے کوئی پرچم نیا

کرتا رہتا ہوں سوادِ فکر سے
ہر پرُانی بات کو پیہم نیا

آسماں والے کوئی تخلیق کر
اس زمیں کے واسطے آدم نیا

ڈھونڈنا ہو گا مسیحا کو مرے
زخم دلِ کے واسطے مرہمِ نیا

کرامت بخاری

غزلیہ

ہیبت سے تری دل ہونگوں سار تو ہو بات
خلوت ہو ہر اک غیر سے بیزار تو ہو بات

اترے تُو مرے شہر میں جن لمحوں کے ہم دوش
میں روک لوں ان کو بصد اصرار تو ہو بات

الفاظِ دعا اوڑھ لے بے نام خموشی
ہر حرف سے اٹھے تری مہکار تو ہو بات

ویران ہے افکار کا دامانِ تدبّر
ہر گوشے میں استادہ ہوں اشجار تو ہو بات

سورج کو ردا ابر کی پہنائے یہ موسم
ساون کے نظر آئیں جو آثار تو ہو بات

برحق کہ تو سنتا ہے سوالی کی لجاجت
میں لا بھی سکوں ہجر اظہار تو ہو بات

کیا لوگ تھے جو شل صبا گزرے یہاں سے
یہ رہروِ دل بھی ہو سبک بار تو ہو بات

اُم عبدِ منیب

سدا سلامت رکھیو مولا !

مولا! میرے پاک وطن کو
ہر ہر گھر ، ہر آنگن کو

اس کے سب روشن شہروں کو
دیہاتوں اور قریوں کو

بسی بسائی ہر بستی کو
اس کی ہر پگڈنڈی کو

سب کھیتوں ، کھلیانوں کو
وادیوں اور میدانوں کو

سب نہروں ، دریاؤں کو
جنگل اور صحراؤں کو

کوہ و دمن کو ، سرو سمن کو
ہرے بھرے ہر گلشن کو

سدا سلامت رکھیو مولا !
اس کے اک اک ذرے کو !

شمیم فاطمہ

غزل

شہر میں آگ لگانے کی ہدایت کی کیجیے
اور جب آگ بھڑک جائے تو حیرت کیجیے

آپ منصف ہیں گواہوں کی ضرورت کیا ہے !
کون کہتا ہے کہ تعظیمِ عدالت کیجیے

وہ نہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے رویہ اپنا
لاکھ تف بھیجئے ، سوبار ملامت کیجیے

چارہ گر سامنے آئیں تو کراہیں ہم بھی
زخم دکھلائیں ، کہیں ،اسکی جراحت کیجیے

غم و اندوہ سے جاری رہے کب تک یہ خطاب
کب تلک درد کے جلسے کی صدارت کیجیے

چین لُٹ جائے تو آرام ملے کیا دل کو !
جاں پہ بن آئے تو کیا گھر کی حفاظت کیجیے

آنکھ میں کیجئے خوابوں کو بچانے سے گریز
دل میں پالی گئی خواہش کو بھی رخصت کیجیے

شمیم فاطمہ

ربیعہ ندرت

کی جاناں میں کون

اس جہانِ رنگ و بو میں دم بدم ، قدم قدم ، کوچے کوچے ،قریہ قریہ،بستی بستی،نگری نگری،اللہ وحدہ لاشریک کی بے شمار،ان گنت شہادتیں ان دیکھے پردوں کے پیچھے مستور ہیں ۔کبھی کبھار جب وہ چاہتا ہے اور جیسا وہ چاہتا ہے اور جہاں وہ چاہتا ہے ، ان پردوں کو ہٹا کر مختلف مناظر یا واقعات میں اپنی جھلک دکھا دیتا ہے ۔لیکن عام آدمی کی آنکھ پر پردہ آجاتا ہے اور وہ اس دید کی عید سے محروم رہ جاتا ہے ۔ جبکہ دیدۂ عبرت اس جھلک کو دیکھ کر چھلک جاتی ہے ، اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے،اس کا رواں رواں محوِ حیرت ہو کر مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے ، اسکا دل رب کریم کی بارگاہ میں عاجزی سے جھک جاتا ہے اور اس کی زبان بے خودی کے عالم میں یہ ترانہ الاپنے لگتی ہے

اے میرے ربِ کریم میں تیرے حضور میں حاضر ہوں
اے میرے مالک میں حاضر ہوں
اے میرے آقا میں حاضر ہوں

اس کی ذات کی جھلکیوں میں کبھی اسکے جاہ و جلال کا ظہور اس طرح نمایاں ہو جاتا ہے کہ دیکھنے والے کی عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔کبھی اس کی قوت و اقتدار کی نمود سے زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں ۔کبھی اس کے حسن و جمال سے نظر خیرہ ہو جاتی ہے اور کبھی اس کی بے پناہ رحمت کا احساس رگ و پے میں اتر کر شکر و حمد کے جذبے میں ڈھل کر دلوں کو پگھلا دیتا ہے ۔

یہ 1997ء کی بات ہے میرا بیٹا محمد احمد حساب کے مضمون میں قدرے کمزور تھا ۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے ایک ٹیوٹر کا انتظام کر دیا ۔ان کا نام امیر علی تھا اور وہ ساٹھ ستر کے پیٹے میں تھے ۔ طے یہ ہوا کہ وہ روزانہ شام کو اسے پڑھانے کیلئے آیا کریں گے ۔ جب میں نے محمد احمد کو اس کی اطلاع دی تو وہ بہت جز بز ہوا ۔ کہنے لگا ۔

''پہلے ہی آدھا دن اسکول میں گزر جاتا ہے ۔صرف شام کی ہی چند گھڑیاں کرکٹ کھیلنے کے لئے ملتی ہیں ۔اب وہ بھی حساب کی نذر ۔ یہ تو زیادتی ہے ۔''

یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا ۔پھر کہنے لگا

''اماں جی ! حساب پڑھنا کیا بہت ضروری ہے ؟ کیا زندگی حساب کے بغیر نہیں چلتی ؟''

میں نے کہا ۔

''ہرگز نہیں ۔ زندگی حساب کے بغیر کیسے چل سکتی ہے کیونکہ زندگی میں شعور آجانے کے بعد سب سے پہلے اپنی ذات کا حساب ہے ، پھر اپنی اوقات کا حساب ، اپنے معاملات کا حساب ، اپنے تعلقات کا حساب ، اپنے اوقات کا حساب ، اپنے دائرۂ کار کا حساب ، اپنے روزمرہ کے اعمال کا

حساب، غرض صبح سے رات تک حساب ہی حساب اور پھر زندگی کے بعد بھی کڑا حساب ۔ اب بتاؤ بھلا گزارا ہے حساب کے بغیر؟''

میری تقریر سن کر اس نے سر جھکا لیا اور افسردہ لہجے میں کہنے لگا۔

''یہ تو زیادتی ہے۔ سراسر زیادتی۔''

ان دنوں محمد احمد کا پسندیدہ لفظ ''زیادتی'' تھا اور وہ اپنی گفتگو میں اکثر، برمحل یا بے محل، جا بجا، سوچے سمجھے بغیر اس لفظ کا بے تحاشہ استعمال کیا کرتا تھا۔ اسے کھیل کود کی زیادتی کے علاوہ ہر چیز کی زیادتی سے اختلاف تھا اور حساب کے علم کی زیادتی سے تو وہ نالاں تھا۔ سردی کی شدت، گرمی کی حدت، ہوا کا تیز چلنا، بادلوں کا خوفناک آواز کے ساتھ گرجنا، میچ کے دوران جب کبھی محمد احمد کی ٹیم فتح سے ہمکنار ہونے والی ہو، عین اس وقت اچانک دھواں دھار بارش کا برسنا، اسکول میں کسی استاد کا طالبعلموں سے اچانک ٹیسٹ لینے کا اعلان کر دینا، ٹیسٹ کے حل شدہ پرچے میں استاد کی طرف سے کم نمبر دیئے جانا، چھٹی کے دن بیماری کا آن لینا۔ اماں کا روزانہ علی الصبح بستر سے اٹھا دینے کا سخت رویہ، آپا کا گھر کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھنے کا اصرار اور بڑے بھائی کی بار بار پوشیدہ غلطیوں کی نشاندہی یہ سب امور زیادتی کے زمرے میں آتے تھے۔ حتیٰ کہ اسکول میں یا کھیل کے میدان میں جب کبھی کسی سے جھگڑا ہو جاتا تو محمد احمد فوراً مخالف فریق کی زیادتی ثابت کر دیتا اور اپنی اس رائے پر کبھی نظر ثانی نہ کرتا۔

بہر حال امیر علی صاحب روزانہ باقاعدگی سے آنے لگے۔ چند دنوں کے دوران ہی محمد احمد کی مردم شناس طبیعت نے امیر علی صاحب کے مزاج میں تحمل، شفقت اور نرمی کو بھانپ لیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں انواع و اقسام کے ناگہانی اور لامتناہی مسائل کی ایک طویل فہرست تیار ہوگئی جسے وہ یکے بعد دیگرے بعد احترام امیر علی صاحب کی خدمت میں پیش کرتا رہتا۔ مثلاً

''سر جی! آج کچھ دیر کے بعد اس کالونی میں کرکٹ کا کانٹے دار میچ شروع ہونے والا ہے۔ ساری ٹیم کی نظریں مجھ پر لگی ہیں۔ اگر آج میں میدانِ عمل میں نہ کودا تو ہماری ٹیم کے ہاتھوں سے میدان نکل جائے گا۔''

امیر علی صاحب اس کی بات سن کر خاموش رہتے۔ ان کی طرف سے جواب نہ پا کر وہ گویا ہوتا

''سر جی! ہماری مخالف ٹیم کے لڑکے بہت سر پھرے، بدمزاج اور بد اخلاق ہیں ۔ اگر آج وہ ہار گئے تو سمجھو یہ اخلاق کی فتح ہوگی۔''

امیر علی صاحب جواب میں آہستہ سے کہتے

''احمد صاحب! وہ تو ٹھیک ہے لیکن''............

محمد احمد ان کے لہجے کی نرمی کو محسوس کرتے ہوئے کہتا۔

''سر جی! اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اپنی ٹیم سے میچ میں شامل ہونے کا وعدہ کر لیا ہے اور اب میں یہ وعدہ توڑ نہیں سکتا کیونکہ میری اماں کہتی ہیں کہ وعدہ توڑنا بہت بڑا گناہ ہے اور پھر یہ میری ٹیم کی عزت کا سوال ہے۔ اگر وہ ہار گئی تو میرے ساتھی اس کالونی میں منہ دکھانے کے قابل نہ

رہیں گے۔''

اب امیر علی صاحب فکر مند ہو جاتے اور کہتے۔

''احمد صاحب! آپ نے بجا فرمایا ہے کہ عزت بڑی چیز ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ پڑھائی کا ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔''

محمد احمد فوراً ان کی تائید کرتے ہوئے کہتا

''سر جی! میری اماں بھی یہی کہتی ہیں کہ پڑھائی کا ناغہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے ورنہ طالبعلم کو بہت نقصان ہوتا ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ آج تھوڑا سا پڑھ لیتے ہیں۔ کچھ کام کل اٹھا رکھتے ہیں۔ بھلا کل کونسا دور ہے۔''

چنانچہ یہ مسئلہ بخیر وخوبی طے ہو جاتا۔ چند دن کے بعد محمد احمد کو نیا مسئلہ درپیش ہوتا اور وہ امیر علی صاحب سے کہتا۔

''سر جی! آج ہمارے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔ اتنا زیادہ ہوم ورک ملا ہے کہ اگر ابھی دل لگا کر بیٹھ جاؤں تو شاید کام کرتے کرتے رات کے گیارہ ہی بج جائیں۔ ایسا کرتے ہیں کہ تھوڑا سا پڑھ لیتے ہیں اور پھر میں ہوم ورک کرنے بیٹھ جاؤں گا۔''

کبھی وہ ان سے کہتا۔

''سر جی! آج گھر میں مہمانوں کی آمد کی خبر ہے۔ اماں بے چاری پہلے ہی تھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کا ہاتھ بٹادوں۔ اگر آج میں اپنی پیاری اماں کے کام نہ آیا تو میری زندگی کا کیا حاصل۔''

محمد احمد کی بات سنتے ہی امیر علی صاحب چند لمحوں کے لئے ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم کی تصویر بن جاتے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ مارے عقیدت کے اس کے ہاتھ چوم لیتے پھر وہ لمبی آہ بھر کر اسے کہتے۔

''واہ احمد صاحب! آپ کی اماں کس قدر خوش قسمت ہیں کہ وہ آپ جیسے سعادت مند بیٹے کی والدہ ہیں۔ زہے نصیب زہے نصیب، چشم بددور۔''

اسکے بعد وہ گلوگیر آواز میں دل کی گہرائی سے دعا کرتے۔

''اللہ ایسی اولاد سب کو دے۔''

محمد احمد بآوازِ بلند آمین کہتا اور موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے فوراً فیصلہ صادر کر دیتا۔

''سر جی! ایسا کرتے ہیں کہ آج تھوڑا سا پڑھ لیتے ہیں۔ باقی کام کل کرلیں گے۔'' بعض اوقات اسے نزلہ زکام جیسی کوئی معمولی بیماری آن لیتی۔ جس کا علاج حساب کے علم سے مکمل پرہیز میں مضمر ہوتا۔ اسکا خیال تھا کہ حساب کی مشقوں کو حل کرنے کے دوران ذہن پر غیر معمولی زور ڈالنے کی وجہ سے انسان کی قوتِ مدافعت کمزور پڑ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے بیماری طول پکڑ جاتی ہے۔

طرفہ تماشہ یہ تھا کہ امیر علی صاحب ہر دفعہ محمد احمد کے پر سوز لب و لہجے سے معمور اس کی ہر درخواست سنتے ہی اس کے ہمنوا ہو جاتے اور دستِ تعاون بڑھا دیتے۔ میں نے بار ہا ان کے گوش گزار کیا کہ وہ اس کی ایسی باتوں کو سنی اَن سنی کر دیا کریں کیوں کہ حساب کی کتاب کھلتے ہی اس کے خوابیدہ مسائل سر اٹھا لیتے ہیں اور اس کتاب کے بند ہوتے ہی اس کے سب مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ لیکن میری بات سن کر وہ

بے یقینی کے عالم میں سر جھکا کر کہتے۔

''ہمشیرہ! آپ نہیں جانتیں۔محمد احمد بہت سعادت مند بچہ ہے۔ یہ تو انمول ہیرا ہے ہیرا۔''

میں جز بز ہو کر کہتی

''یا تو آپ اسے نہیں جانتے، یا میں نہیں جانتی لیکن یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ جس دن آپ اسے جان گئے تو آپ کی نرمی خود بخود قدرے سختی میں ڈھل جائے گی اور اس نوبت کے آجانے کے بعد ہی اس کی اصلاح کے امکانات روشن ہوں گے۔''

لیکن امیر علی صاحب کو میری اس بات سے ہمیشہ اختلاف رہا۔ وہ شاید محمد احمد کے مودب لہجے، اس کی اردو دانی اور شستہ بیانی کے دام میں آگئے تھے۔

ان دنوں میرے والد مرحوم ہمارے ہاں مقیم تھے۔ اسی دوران رمضان کا مہینہ شروع ہو گیا۔ ایک دن ابی جان نے مجھے ایک ہزار روپے کا ایک نوٹ دے کر کہا کہ۔

''آج شام امیر علی صاحب کو یہ پیسے دے دینا۔ ان سے کہنا کہ ان پیسوں سے عید کے موقع پر اپنے بچوں کے لئے کپڑے خرید لیں۔''

چنانچہ شام کو جب امیر علی صاحب آئے تو میں نے وہ پیسے ایک لفافے میں ڈال کر ان کے حوالے کر دیئے۔

امیر علی صاحب شوگر کے مریض تھے۔ رمضان کے دوران ہی اچانک ان کی صحت بہت بگڑ گئی۔ وہ چند دن ہسپتال میں بھی داخل رہے۔ پھر انہوں نے پڑھانے سے معذرت کر لی کیونکہ وہ روزانہ سائیکل پر مغلپورہ سے گلبرگ چند بچوں کو پڑھانے کیلئے آتے تھے اور اب کمزوری کی وجہ سے اتنا طویل سفر طے کرنا ان کے لئے ازحد مشکل تھا۔

عید کے چند دن کے بعد ابی جان بھی انتقال کر گئے۔ میرے پاس امیر علی صاحب کا کوئی فون نمبر نہیں تھا، اس لئے میرا ان سے کوئی رابطہ نہ رہا۔ ایک سال کے بعد جب رمضان کا آخری عشرہ تھا تو اچانک امیر علی صاحب کا فون آگیا۔ کہنے لگے۔

''ہمشیرہ! میں امیر علی بول رہا ہوں۔ آپکے ہاں سب خیریت ہے نا۔''

اس کے بعد وہ خاموش ہو گئے۔ غالباً وہ حرفِ مدعا زبان پر لانے سے ہچکچا رہے تھے۔ میں بھی خاموش رہی کیونکہ ان دنوں میرے میاں گزشتہ دس بارہ دن سے شیخوپورہ میں آلو کی فصل سمیٹنے میں مصروف تھے۔ دراصل آلو کی فصل کی کاشت اور پرداخت پر لاکھوں روپے کی لاگت آتی تھی۔ اس لئے ان آڑے دنوں میں ہم گھر والے کفایت شعاری کو اوڑھنا بچھونا بنا لیتے تھے تاکہ میرے میاں کو حتی الامکان سہولت رہے۔ چنانچہ اس وقت میرے پاس گھر کے اخراجات کے لئے بہت گنی چنی سی رقم موجود تھی۔ میں نے سوچا کہ عید کی ضروریات کے لئے شاید امیر علی صاحب کو کچھ مالی مدد کی ضرورت ہو گی اور اسی لئے انہوں نے فون بھی کیا ہے لیکن میرا خیال تھا کہ چونکہ گزشتہ عید کے موقع پر ابی جان کی طرف سے ان کو ایک ہزار روپیہ ملا تھا۔ اس لئے شاید اس دفعہ بھی وہ دل ہی دل میں کم از کم اتنے ہی پیسوں کی توقع کر رہے ہوں گے۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ اپنی

کسی ہمسائی سے فی الحال ایک ہزار روپیہ ادھار لے کر انہیں دے دوں ۔لیکن پھر دستِ سوال دراز کرنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ ویسے بھی اگلے دن دو پہر کے وقت میرے میاں کی آمد متوقع تھی چنانچہ میں نے سوچا کہ ان کا انتظار کر لینا بہتر ہے ۔وہ آئیں گے تو ان سے پیسے لے کر امیر علی صاحب کو دے دوں گی ۔ابھی میں کان کے ساتھ ریسور لگائے ہوئے انہی سوچوں میں گم تھی کہ امیر علی صاحب گویا ہوئے ۔

''ہمشیرہ ! اگر آپ کہیں تو میں کل آپ کے ہاں آجاؤں ۔''

میں نے کہا۔

''جی ہاں! آپ کل شام سات بجے تشریف لائیے گا ۔''

اس کے کچھ دیر بعد ہی میرے میاں کا شیخوپورہ سے فون آ گیا ۔ وہ کہہ رہے تھے کہ بارش ہو جانے کی وجہ سے فصل سمیٹنے کا کام قدرے تاخیر سے ختم ہو گا ۔ اس لئے وہ اگلے دن کی بجائے چار پانچ دن کے بعد لاہور آئیں گے ۔

اب میں دل ہی دل میں پریشان ہوگئی ۔ ان دنوں فون پر CLI کی سہولت میسر نہ تھی ۔لہٰذا میں امیر علی صاحب کو یہ اطلاع دینے سے قاصر تھی کہ میرے میاں کی واپسی کے پروگرام میں تبدیلی کی وجہ سے براہِ مہربانی وہ کل نہ آئیں بلکہ چند دنوں کے بعد تشریف لائیں ۔

دوسرے دن میری بے چینی بڑھتی چلی گئی ۔ اس صورتحال سے نجات کا واحد راستہ راہ فرار اختیار کرنا نظر آیا۔ چنانچہ شام کو ساڑھے چھ بجے میں نے اپنے دونوں بچوں سے کہا۔

''میں ذرا آنٹی ہما کے ہاں جا رہی ہوں ۔ اگر امیر علی صاحب آئیں تو ان سے کہہ دینا کہ اماں کسی کے ہاں گئی ہیں ۔آپ براہِ مہربانی اگلے ہفتہ تشریف لائیں ۔''

ہماری رہائش جس علاقے میں ہے ، وہاں اوپر نیچے تین تین منزلہ فلیٹس بنے ہوئے ہیں ۔ ہم گراؤنڈ فلور کے فلیٹ میں رہتے ہیں اور ہما سب سے اوپر والے فلیٹ میں رہائش پذیر تھی ۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گئی ۔ ہما کی بیٹی نے دروازہ کھولا اور کہنے لگی ۔

''آنٹی ! امی اپنے کمرے میں مصروف ہیں ۔آپ وہیں چلیئے ۔''

میں ہما کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ نیچے قالین پر بیٹھی تھی ۔اس کے سامنے زیورات کے چند ڈبے پڑے تھے اور وہ کپڑے کی ایک تھیلی میں سے زیور نکال نکال کر ان ڈبوں میں پھیلا پھیلا کر رکھ رہی تھی ۔ میں نے اسے دیکھ کر کہا۔

''واہ بھئی واہ......آج تو سونے سے ہاتھ خوب پیلے کئے جا رہے ہیں ۔''

وہ کہنے لگی ۔

''ہم ہر دفعہ رمضان میں سونے کے زیورات کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ۔ میرے میاں شفیق صاحب کا معمول ہے کہ وہ سب زیورات کو تھیلی میں ڈال کر کسی جیولر کے پاس لے جاتے ہیں اور اس سے زکوٰۃ کا حساب کرواتے ہیں ۔آج بھی ہم اسی کام کے لئے بازار گئے تھے ۔ جیولر نے زکوٰۃ

دینے کے لئے بارہ ہزار روپے بتائیے ہیں لیکن شفیق صاحب کو ہمیشہ مقررہ رقم سے زیادہ دے کر ہی تسلی ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً اس مد میں پندرہ ہزار روپے ادا کر دیئے۔ لیکن اب وہ بضد ہیں کہ ابھی اور اسی وقت مزید ایک ہزار روپیہ ادا کرو۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب کبھی شفیق صاحب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ بہت بے چین ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے، جیسے وہ کسی بھاری بوجھ تلے دب گئے ہوں جونہی ان پیسوں کی ادائیگی ہو جاتی ہے تو وہ بے حد پر سکون ہو جاتے ہیں۔ اب اس وقت بھی ہمیں یہی مسئلہ درپیش ہے۔ آج ان کی طبیعت اچھی نہیں ورنہ وہ خود یہ پیسے دے کر فارغ ہو جاتے۔''

یہ کہہ کر ہما چند لمحے خاموش رہی۔ پھر کہنے لگی

''کیا تمہاری نظر میں کوئی حاجت مند ہے، جسے ایک ہزار روپیہ ابھی دیا جا سکے۔''

اس کی یہ بات سن کر میری تو یہ حالت ہوئی جیسے سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا ہو۔ میں نے کہا

''میری نظر میں جو شخص ہے وہ تو بس آیا ہی چاہتا ہے۔ جلدی نکالو ایک ہزار روپیہ باقی باتیں پھر ہوں گی۔''

اس نے اپنے پرس میں سے مجھے ایک ہزار روپے کا نوٹ نکال کر دیا اور میں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہما نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ کیا معمہ ہے؟ ابھی آئی ہو اور ابھی چل دی۔ کچھ دیر تو بیٹھو۔ ایسی بھی کیا ایمرجنسی ہے؟

میں نے کہا

''ہما پیاری۔ بس میرے پاس وقت کم ہے اور مقابلہ سخت۔ زندگی رہی تو کل اس ایمرجنسی کا بھید کھولوں گی۔ اگر تم اس وقت یہ ہزار روپیہ مجھے نہ دیتیں تو میں تمہارے پاس گھنٹوں بیٹھی رہتی۔ اب یہ نوٹ دے کر تم نے میرے اندر بجلی بھر دی ہے۔ اب بیٹھنا محال ہے۔''

ہما کہنے لگی۔

''اچھا...... جیسے تمہاری مرضی۔ لیکن میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں کہ تمہاری مدد کی وجہ سے میرا بوجھ ہلکا ہوا۔''

''بھولی بنو! تم کیا جانو کہ اس وقت کس نے کس کی مدد کی ہے۔

ابھی اپنے گھر میں داخل ہوئے مجھے پندرہ بیس منٹ ہی ہوئے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی میں نے خوشدلی سے پوچھا۔

''کون ہے؟''

جواب آیا

''ہمشیرہ! میں امیر علی ہوں۔''

میں نے دروازہ کھولا اور ہزار روپیہ ان کے حوالے کیا

۔

وہ کہنے لگے۔

''ہمشیرہ! میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آڑے وقت میں آپ نے میری مدد کی۔''

میں نے دل ہی دل میں ان سے کہا۔

''امیر علی صاحب۔ آپ کیا جانیں کہ دراصل آپ کی

مدد کس نے کی ہے اور کیسے کی ہے۔ واہ۔ سبحان اللہ۔"

امیر علی صاحب پیسے لے کر خوش خوش لوٹ گئے اور میں گہری سوچوں کی بھول بھلیوں میں کھو کر رہ گئی میری ہمسائی ہما اور میں گزشتہ چھ سالوں سے اسی طرح پاس پاس رہ رہے تھے لیکن آج سے پہلے اس نے مجھے کبھی کوئی رقم کسی کو دینے کے لئے نہیں دی تھی اور نہ ہی آج تک دوبارہ کبھی ایسا اتفاق ہوا ہے۔ نہ جانے امیر علی صاحب کی کیسی شدید حاجت تھی کہ اللہ ربِ کریم نے ان پر رحم فرمایا اور اپنی شانِ کریمی سے کس قدر غیر محسوس طریقے اور عجب انداز سے ان کی ضرورت کو پورا کیا۔

اول تو یہ واقعہ ہی میرے لئے حیران کن تھا لیکن اس میں خاص طور پر میرے لئے یہ پہلو باعثِ حیرت تھا کہ میری خواہش بھی امیر علی صاحب کو کم از کم ایک ہزار روپیہ دینے کی تھی۔ غالباً امیر علی صاحب بھی کم از کم ہزار روپے کی توقع کر رہے تھے اور عین اسی وقت شفیق صاحب کے دل میں بھی راہِ خدا میں ہزار روپیہ دینے کی خواہش ابھر آئی تھی۔ ہم تینوں کے دلوں میں بیک وقت ایک ہزار روپیہ ہی لینے یا دینے کی تمنا تھی۔ بلا کم وکاست۔ اور اچانک غیب سے ان پیسوں کا ایسا بندوبست ہو گیا تھا کہ ہم تینوں کی دلی مراد بر آئی تھی۔

ایک ہی وقت میں اللہ نے شفیق صاحب کو بھی ہلکا پھلکا کر دیا، مجھے بھی شرمندگی سے بچا لیا، میرا بھرم بھی رکھ لیا اور امیر علی صاحب کو بھی خوش کر دیا بے شک وہ ہر لمحہ، ہر آن اپنے تمام بندوں کی تمام تر ضروریات، خواہشات، توقعات، دلی کیفیات اور ان کے سینوں میں چھپے ہوئے سب بھیدوں سے آگاہ ہے۔

اس خیال کے ساتھ ہی میرے دل سے صدا بلند ہوئی۔

اے ربِ خبیر۔ اے ربِ قدیر۔ اے مسبب الاسباب بے شک ملک تیرا، مِلک تیری۔ حکم تیرا۔ حکومت تیری۔ حاکمیت تیری۔ بادشاہت تیری۔ کلی اقتدار تیرا۔ اختیار تیرا۔ سب نظم ونسق تیرا۔ بس تو ہی تو۔

اور تیری اتنی وسیع و عریض اور پراسرار کائنات میں بھلا میری اوقات اور شناخت کیا ہے؟

کچھ بھی تو نہیں......

کی جاناں میں کون!

☆☆

بچھڑ گئے ہم اُجالوں کے شہر میں خود سے!

''آج ماسی نہیں آئی ؟'' شاکرہ فصیح نے بہو سے پوچھا۔

''نہیں'' صبا نے مختصر سا جواب دیا۔

''ہاں! کل ہی اس کی طبیعت خراب لگ رہی تھی......''

''جی''

''موسم بھی تو بدل رہا ہے......''

''ہوں''

''عدیل آج کس وقت آئے گا؟''

''پتہ نہیں''

''آج بچے ناشتے پر تھکے ہوئے لگ رہے تھے!''

''شاید'' یہ کہتی ہوئی صبا اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

نہ صبا کم گو تھی اور نہ شاکرہ فصیح بد اخلاق اور ڈکٹیٹر! مگر نہ جانے کیوں ان دونوں کے درمیان دن بھر مکالمہ کی کیفیت ایسی ہی رہتی تھی حالانکہ آپس میں سگی پھوپھی بھتیجی ہونے کے باعث ان کے درمیان بہت کچھ مشترک تھا۔لیکن اگر وہ اس سے اسکے میکے یعنی اپنے بھائی کے گھر کی بھی کوئی بات یا خیریت پوچھتیں تو اتنا ہی مختصر جواب ملتا مبہم سا!

شاکرہ فصیح نے چند لمحے دروازے کو گھورنے کے بعد ٹی وی ریموٹ اٹھا لیا۔ اگر چہ وہ دن بھر میں رات کو ایک گھنٹہ سے زیادہ ٹی وی کی قائل نہ تھیں مگر اس وقت خالی الذہن انہوں نے کھول لیا۔نظریں اسکرین پر مگر دماغ کہیں اور تھا!''......کیا ہو گیا ہے صبا کو؟ پہلے تو چہکتی بلبل تھی......'' انہوں نے تشویش سے سوچا۔ اپنی یادداشت پر بہت زور ڈالنے کے باوجود ان کو اس کا یہ روپ یاد نہ آ رہا تھا۔ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں، بھابیوں اور ان سب کے بچوں کے ساتھ تو بے حد باتونی، ہنس مکھ تھی......

ٹی وی پر مارننگ شو چل رہا تھا۔''......ہوں! ڈاکٹر کو تو صحیح عمر اور کوائف بتاتی نہیں اور یہاں سب کھول رہی ہیں۔ کوئی پرائیویسی نہیں......اپنے گھروں کے جھگڑے چوراہے پر......'' سوچتی ہوئی وہ چونک پڑیں۔ٹی وی پر ایک دم آواز گونجی''......میں صبا عدیل بول رہی ہوں کراچی سے......'' وہی کھنک دار چہکتی ہوئی آواز! انہوں نے کان جھٹک کر اپنی سماعت چیک کی۔سو فیصد وہی اور اس کا نام بھی تو اسکرین پر چمک رہا تھا۔

''......میرا مسئلہ میری ساس ہیں!! ان کی وجہ سے میں بہت دباؤ میں رہتی ہوں۔ ان کے اصول، زندگی گزارنے کے طریقے میرے صبر کا امتحان ہیں......پلیز مجھے مشورہ دیں......''

یہ ٹھیک ہے کہ بچوں کی بے قاعدگی، بدتمیزی اور بیٹے بہو کی فضول خرچی اور وقت کے ضیاع پر وہ بہت الجھتی تھیں۔

ٹوکنے پر تلخی اور برداشت کرنے پر آزردگی کا سامنا کرتی تھیں مگر وہ صبا کے لئے اتنی بیزارکن ہیں کہ وہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے مشورے آن ایئر پوچھے گی؟

''آہ......'' وہ صوفے پر لڑھک گئیں ۔ صبا فوراً کمرے میں پلٹی تو ٹی وی پر نظر پڑتے ہی صورت حال کا اندازہ کرکے خوف زدہ ہوگئی اور عدیل کا نمبر ملانے لگی۔

دس منٹ بعد وہ قریبی ہسپتال میں ایمرجنسی میں داخل تھیں ۔انجائنا کا معمولی سا اٹیک تھا۔ان کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع پر لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔سابقہ کولیگز،احباب اور رشتہ دار سب حیرت زدہ تھے کہ مضبوط اعصاب اور دلکش شخصیت کی مالکہ شاکرہ فصیح کا دل کیوں اور کیسے اتنا کمزور ہوگیا؟ وہ تو ظاہری صحت کے اصولوں پر بھی سختی سے کار بند تھیں ۔ابھی دوسال قبل ہی تو وہ اعلیٰ تعلیمی ادارے کی پرنسپل شپ سے ریٹائر ہوئی تھیں جبکہ چھ سال قبل انہیں بیوگی کی چادر اوڑھنی پڑی جب فصیح احمد دل کے دورے میں اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے تھے۔

لرزتی پلکوں کے نیچے نہ جانے کتنے آنسو بے تاب ہورہے تھے۔ یہ سوچ کر کہ ان کی لاڈلی بہو اور بھتیجی ان کے بارے میں کیا خیالات رکھتی ہے؟ روشن خیال اور کھلے دل کی شاکرہ فصیح تو ایسی روشنی تھیں جن سے حاصل کردہ ایک کرن بھی لوگوں کی زندگی بدل دیتی تھی اور وہ اس پر فخر سمجھتے تھے اور صبا؟؟ بظاہر ان کی آنکھیں بند تھیں مگر گزاری زندگی ایک کتاب کی مانند سامنے تھی۔

والدین کی آنکھوں کا چمکتا ستارہ ، تین بھائیوں کی اکلوتی ، ذہین اور زندگی سے بھرپور بہن ! وقت کے ہر لمحے کے مثبت استعمال نے شاکرہ کو ایک انفرادیت عطا کی ہوئی تھی۔بی اے اور بی ایڈ دونوں میں پوزیشن لی تھی۔ ہرفن میں طاق ، ہنس مکھ ! دو سال تک اسکول ٹیچنگ کرنے کے بعد شادی کا مرحلہ آیا۔شوہر بھی قدر دان اور معاون و مددگار تھے ۔زندگی سبک روی سے گزری۔چاروں بچے پروفیشنل ڈگری کے مالک! ماں باپ کا سرفخر سے بلند کرنے والے! تین بچے شکیل ، ربیعہ اور ناجیہ امریکہ اور کینیڈا میں سیٹل تھے جبکہ عدیل بے بی آف دی فیملی نے پاکستان میں قیام کو ترجیح دی تھی۔ وہ روایتی ماؤں سے قطعی مختلف تھیں لہٰذا بچوں کی شادیوں میں ان کے مزاج اور پسند کو بھی مدنظر رکھا تھا۔ عدیل نے اپنی دلہن کا چناؤ امی کے ہاتھ میں دیا تو انہوں اپنے بڑے بھائی کی سب سے چھوٹی بیٹی صبا پسند کی اور اپنے اس فیصلے پر وہ بہت مطمئن تھیں ۔صبا نے شوہر،گھر اور بچوں کو اچھی طرح رکھا ہوا تھا۔ محلے اور خاندان والے اس کا دم بھرتے تھے مگر اس کا انتخاب کرنے والی ہی اس کے گلے کا کانٹا تھی ، یہ انکشاف ان کو ہسپتال کے بستر پر لے آیا۔

''......ارے پھپھو! آپ اور انجائنا؟''

پیار بھری آواز پر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ یہ ڈاکٹر سعدیہ تھیں ۔شاکرہ فصیح کے منجھلے بھائی کی بیٹی! میرا انتخاب صبا کے بجائے یہ کیوں نہ ہوئی ؟ وہ اس کو بغور دیکھنے لگیں۔

''کیا دیکھ رہی ہیں؟ اب آپ میری Patient ہیں۔ جو میں کہوں وہ کریں گی......'' انہیں اس پر ٹوٹ کر پیار آیا! وہ

انہیں پانچ سالہ معصوم گڑیا لگی اور ایک لمحے کو وہ یہ بھول ہی گئیں کہ یہ 36 سالہ ذمہ دار ڈاکٹر اور تین بچوں کی ماں ہے۔ اب انہیں یاد آیا کہ سعدیہ پر صبا کو ترجیح دینے کی وجہ عدیل کے خیالات تھے۔ وہ اپنی ماں، بہنوں اور بھابھی کے برعکس گھریلو لڑکی چاہتا تھا۔ وہ دل مسوس کر رہ گئیں۔ لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ بہو بن جانے کے بعد یہ بھی ایسی نہ ہو جاتی۔ آگہی نے ان کے اندر تلخی سی بھر دی تھی مگر نہیں! یہ ایسی نہ ہوتی...... کیوں؟ حقیقت پسند ہونے کی وجہ سے وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئیں۔ ''کیونکہ اس کی ماں کا رویہ بھی میرے ساتھ مختلف تھا!''

شہناز بھابھی جب بیاہ کر آئیں تو گھر میں شاکرہ کا طوطی بولتا تھا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ بھی اس کی مہارتوں اور مزاج سے فائدہ اٹھاتیں اس کے خلاف کینہ پال کر بیٹھ گئیں۔ پانچ سال بعد سیما دوسرے بھائی کی بیوی بن کر گھر میں داخل ہوئیں۔ ان کے برخلاف وہ شاکرہ کی بہت اچھی دوست اور ممدوح بن گئیں۔ سعدیہ ان ہی کی بیٹی تھی۔

وہ آنکھیں موندے تجزیہ کرنے میں مصروف تھیں۔ ''......اپنے سے بہتر کسی کو پا کر انسان اگر حسد کا شکار ہو جائے تو اکیلا اور اگر اپنا بنا لے تو بے انتہا طاقتور! کاش انسان یہ راز پالے تو اپنے سے بہتر کو گرانے کی بجائے اس کا دامن تھام کر تقویت پائے......ظاہر ہے صبا نے پھپھو سے چڑ وراثت میں ہی پائی تھی۔ انہیں اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا کہ انہوں نے اس بات کو پہلے کیوں نہ محسوس کیا۔ حالانکہ عدیل کا رشتہ دیتے وقت وہ بھابھی کے پچھلے رویہ کے باعث خائف تھیں کہ کہیں انکار نہ کر دیں مگر شاید اتنا اچھا میچ انہیں ملنا ممکن نہ تھا یا پھر شوہر کا دباؤ کہ چوبیس گھنٹے سے بھی پہلے او کے ہو گیا تھا۔ اس وقت تو شاکرہ نے اسے پچھلے تمام سلوک کی تلافی سمجھا تھا مگر آج احساس ہو رہا تھا انہوں نے اس رشتے کے ذریعے بھی ان کو شکست دینے کی حکمت عملی برقرار رکھی تھی کیونکہ آہستہ آہستہ صبا ماں ہی کے رنگ میں ڈھل رہی تھی۔

لیکن صبا کی ذہنیت بنانے میں ماں کی گود کے علاوہ انڈین چینلز پر ساس کو چڑیل سمجھنے کا پروپیگنڈہ اور دوستوں اور بہنوں کی ساسوں کی ظلم کی داستانیں تھیں جس نے اس کو سراپا شفقت پھپھو کو سمجھنے ہی نہ دیا۔ اب اس وقت بھی وہ اس کے خلاف کچھ سوچنے کے بجائے اپنے آپ کو ہی کٹہرے میں کھڑا کر رہی تھیں ''...... ماں بہنوں کی منفی تربیت اپنی جگہ مگر میں کیوں اسے اپنے سے مانوس نہ کر سکی؟'' کاش! میں امریکہ یا پھر ربیعہ کے پاس کینیڈا میں ہی رک جاتی؟ کتنا اصرار کر رہے تھے وہ تینوں اور ان سے زیادہ ان کی اولادیں......ان لوگوں کا خیال آتے ہی دل خوشی اور اداسی سے بیک وقت بھر گیا!!! اب اس عالم میں تو سفر کے قابل بھی نہیں رہی......بستر پر ہر چیز پر پابندی تھی مگر سوچنے پر نہیں! وہ اس وقت تندہی سے اپنے لئے کسی جائے پناہ کے لئے فکر مند تھیں۔

''......بس پھپھو! میں نے کہہ دیا ہے۔ آپ میرے ساتھ میرے گھر چل رہی ہیں!! میری انیکسی خالی ہے اور فیمیل ایڈمنسٹریٹر کی پوسٹ بھی! آپ گھر بیٹھ کر اپنا ٹیلنٹ ضائع کر رہی ہیں! میں تو آپ کی ریٹائرمنٹ کا انتظار کر رہی تھی مگر آپ فوراً باہر چلی گئیں اور آئیں تو گھر بیٹھ گئیں۔ پھپھو! زمانہ

منتظر ہے آپ کی صلاحیتوں اور توجہ کا ......'' سعدیہ نے ان کا بوسہ لیتے ہوئے کہا اور شاکرہ فصیح کی آنکھیں بھیگ گئیں اپنے اللہ کے انعام پر! پروگرام تو ان کا بھی یہ ہی کچھ تھا کہ اسکول سے فارغ ہوکر گھر میں کمیونٹی سنٹر فلاحی پروگرام شروع کرنے کا صبا کے ساتھ مل کر مگر اچھے فیصلے کی توفیق بھی تو نصیب سے ملتی ہے! بدقسمت صبا......

عدیل کو سعدیہ نے کس طرح راضی کیا یہ انہیں معلوم نہ ہو سکا! لیکن ڈسچارج ہونے سے قبل جب عدیل نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا ''......امی میں روز شام کو آپ سے ملنے آؤں گا! آپ اس وقت کوئی مصروفیت نہیں رکھیں گی......'' تو انہوں نے پیار سے بیٹے کا ہاتھ دبایا اور ان کے دل کا بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ انہوں نے صبا اور بچوں کو پیار کیا اور سوچنے لگیں ''......کاش یہ کہہ دے مجھے معاف کر دیں......'' اور وہ اسے آزاد کردیں اپنی عدالت سے مگر وہ خاموش رہی اور انہیں یہ پتہ نہ ہوسکا کہ ان کی بیماری نے اسے خوف کی مریضہ بنادیا ہے۔ پھپھو کے مزاج کا تو اسے اندازہ تھا وہ کسی سے کچھ نہیں کہیں گی لیکن اگر عدیل کو پتہ چلا تو اپنی تمام تر محبت کے باوجود کوئی بھی فیصلہ کرسکتا ہے اور میاں بیوی کا رشتہ جہاں ایک لفظ سے بنتا ہے وہاں ایک لفظ سے ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ کتنا fragile ہے! اور ماں؟ وہ تو ایسا دریا ہے جو بارش نہ ہو تو بھی خشک نہیں ہوتا!!

اور پھر ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا! سعدیہ نے اپنے گھر میں ہی ہسپتال قائم کیا ہوا تھا تین منزلہ عمارت کی اوپری منزل میں خود رہائش پذیر تھی مگر پھپھو کی دوسراہٹ کی وجہ سے نیچے ہی شفٹ ہوگئی تھی اس کے لئے نقشے میں بھی مناسب تبدیلیاں کرنی پڑی تھیں۔ شاکرہ فصیح اپنی رہائش گاہ دیکھ کر نہال ہوگئیں۔ وہ سعدیہ کے رہائشی علاقے سے ملحقہ بھی تھی اور بوقت ضرورت اسے علیحدہ بھی کیا جاسکتا تھا۔ ضرورت کی ہر چیز! ایک چھوٹا کچن لوازمات کے ساتھ...... پرائیویسی بھی اور سکون بھی! کتابوں کی ایک چھوٹی سی الماری بتا رہی تھی کہ سعدیہ نے پھپھو کے ذوق کا بھی خیال رکھا ہے۔ اپنا سامان یہاں سیٹ دیکھ کر انہیں ایک گونہ طمانیت کا احساس ہوا۔

یہاں کام تو برائے نام ہی تھا بس زندگی اور دلچسپی تھی! ایڈمنسٹریشن کے لئے تو مردانہ اسٹاف ہی کافی تھا وہ تو کاؤنسلنگ پر تھیں۔ مریضوں کی دلجوئی، ان کے رشتہ داروں کو تسلی، نومولود کی آمد پر ماں کی بریفنگ، مدد اور رہنمائی! قرآن کے حوالے سے باقاعدہ کلاس شروع ہوگئی۔ جو کچھ پڑھا، پڑھایا جاتا اس میں سے اصول نکال کر عمل کے موتی بھی چنے جاتے۔ شاکرہ فصیح تو چلتا پھرتا ادارہ تھیں! کبھی سسٹر راشدہ کے جہیز کے ڈوپٹے پر بیل ٹانک رہی ہیں تو کبھی ڈاکٹر غزالہ اور ڈاکٹر عرشیہ کے بچوں کو نظمیں اور کہانیاں سنا رہی ہیں! کبھی سعدیہ کے شوہر عمران سے سیاست پر تو کبھی علمی اور ادبی بحث! اکثر سعدیہ کی ساس سے معاشرتی اور خاندانی معاملات پر گفتگو رہتی! سعدیہ کا اپنی ساس سے رویہ ان کو عجیب سے احساس میں مبتلا کر دیتا جب وہ دیکھتیں کہ سعدیہ ان کے بار بار پرابلم کھڑی کرنے کے باوجود ان سے معذرت خواہانہ رویہ رکھتی۔ ایسے موقع پر وہ صبا سے موازنہ کرتیں اور پھر شرمندہ ہو جاتیں۔ صلح جُو

شاکرہ فصیح......نفسیات پر عبور رکھنے والی......ردعمل کے رویوں سے واقف...... اسے بھی اپنی ہی غلطی کے کھاتے میں ڈال دیتیں۔

زندگی کے بہت سے رنگ یہاں کھلے ہوئے تھے۔ گھر کے ایک گوشے میں پرندے اور جانور ماحول میں ایک قدرتی خوشگوار تاثر پیدا کرتے تھے۔ عدیل اکیلے تو روزانہ ہی چکر لگاتا اور اکثر صبا اور بچے بھی ساتھ ہوتے۔ ان کو مطمئن اور مصروف دیکھتے تو اطمینان کا اظہار کرتے مگر اپنے گھر سے یہاں کا موازنہ ان سب کو بھی ایک دباؤ میں لے لیتا۔ان احساسات کو بیان کرنا کسی کے بھی بس میں نہ تھا۔

اس دن بھی شام کا سہانا وقت تھا اور عدیل معہ فیملی اچانک آ گئے۔ وہ لان سے ملحقہ برآمدے میں کرسی ڈالے سعدیہ کی دس سالہ بیٹی حمنہ کے سر میں تیل ڈال رہی تھیں اور وہ نیچے بیٹھی ہنس ہنس کر انہیں اپنے اسکول کے قصے سنا رہی تھی۔ قریب ہی سعدیہ ان کے کلف لگے کپڑوں میں استری کر رہی تھی جبکہ آٹھ سالہ حسان اور چھ سالہ ہبہ اپنی بلی کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ بظاہر اس منظر میں کوئی حیران کن بات نہ تھی مگر عدیل اور اس کی فیملی کے لئے بہت کچھ شاکنگ تھا کہ انہوں نے یہ نظارہ اپنے گھر میں کبھی نہ دیکھا تھا۔باوجود اسکے دونوں گھروں میں مالی حیثیت اور بچوں کی تعداد بالکل ایک تھی تو پھر کیا فرق تھا؟ گیٹ کھلنے سے اندر آمد تک شاکرہ فصیح اور عدیل کی فیملی نے اپنا اپنا تجزیہ مکمل کر لیا تھا۔

صبا کے بچے اسکول سے آ کر اپنی ماں کے گرد ہی رہتے تھے۔ شام کو عدیل گھر آتے تو امی کو سلام دعا کر کے اپنے کمرے میں چلے جاتے۔ پھر کہیں فیملی کے ساتھ آؤٹنگ کو چلے جاتے۔ امی سے ان کی کسی ضرورت کا ضرور پوچھتے مگر ساتھ لے چلنے کو کبھی نہ کہتے۔ ہاں البتہ یہ کہ انہیں کبھی علاج یا پھر تعزیت،عیادت کے لئے کہیں جانا ہوتا تو پھر عدیل ان کو لے جاتا۔ اپنے لحاظ سے اگر کبھی وہ ایک مشترکہ پروگرام بناتیں تو صبا اور بچے اس سے کٹ جاتے۔ جب تک فصیح صاحب زندہ تھے ان کو کبھی محسوس نہ ہوا مگر اب ان کو اپنی تنہائی کا احساس ہونے لگا تھا۔ اگرچہ اوپر کے فلور پر کرایہ داران کی دلجوئی کے لئے ہر وقت موجود تھے اور ان کے پاس تو زندگی گزارنے کا ایک مکمل ایجنڈہ تھا لہٰذا بور ہونے کا تو سوال نہ تھا۔ اسکول کی مصروفیت کے ساتھ ڈھیروں حلقہ احباب نبھا رہی تھیں۔ کئی اداروں کی رکنیت انہیں حاصل تھی اور فلاح عامہ بھی ان کے مدنظر رہتا تھا مگر گھر میں جو کچھ انہیں کمی لگتی تھی وہ کچھ کہنے سے قاصر تھیں۔

اب چونکہ شاکرہ بیگم پر ایک بھیانک حقیقت آشکارا ہوئی تھی لہٰذا وہ موازنہ کرنے پر مجبور تھیں کہ صبا اور بچے کیوں ان سے الگ تھلگ رہتے تھے۔کبھی اپنائیت کا احساس کیوں نہ ہوا؟ جبکہ وہ شکیل کے گھر امریکہ جاتیں تو وہ اور اسکے بیوی بچے ان کے ساتھ ہر لمحہ انجوائے کرتے۔ شاپنگ ہو یا آؤٹنگ ان کے بغیر نہ ہوتی حتیٰ کہ شکیل کی بیوی ماریہ ان کی آمد کے لحاظ سے خصوصی پروگرام ترتیب دیتی حالانکہ وہ خود ایک مصروف ڈاکٹر تھی۔ ان کو اپنے احباب سے ملوانے اور پروگرامز میں شریک کروانے کے لئے بڑی تگ و دو کرتی۔ بچے تو جیسے دادی کے وجود کا حصہ بن کر رہ جاتے۔ اب انہیں

یاد آ رہا تھا کہ جب وہ یہ سب کچھ عدیل اور اس کی فیملی کے سامنے بتاتیں تو وہ چپ سے ہو جاتے اور کبھی صبا بات کو یوں اڑا دیتی کہ وہاں تو وہ لوگ آدمیوں کے تر سے ہوئے ہوتے ہیں کوئی آیا تو ظاہر ہے کہ اس کو سر پر بٹھائیں گے ہی !! یا پھر یہ کہ وہاں تو بے بی سٹنگ چاہیے۔ اس وقت تو انہوں نے ان باتوں کو محسوس نہیں کیا تھا مگر اب جبکہ آنکھوں پر سے پردہ ہٹا تو گویا ان الفاظ میں چھپے طنز بھی سنائی دے رہے تھے۔

لمحہ بھر میں سوچیں دور تک لے گئیں ''...... السلام علیکم عدیل ماموں اور صبا مامی!......'' حمنہ خوشی سے چلائی۔ اچانک آمد ایک سرپرائز تھی بس فضا بدل گئی باتیں اور خوش گپیاں! جب روانگی ہونے لگی تو حمنہ نے اصرار کیا''...... مامی ماہین کو یہاں چھوڑ دیں! کل تو چھٹی ہے...... نانی کے ساتھ مزے کریں گے!!'' ہم عمر ہم جماعت کے ساتھ وقت گزارنے سے بڑھ کر ایک بچے کے لئے کوئی خوشی نہیں ہوتی! مگر یہاں تو سب سٹپٹا کر رہ گئے۔ ایسا کب ہوا کہ بچے دادی کے ساتھ وقت گزاریں۔

شاکرہ بیگم پھر سوچوں میں گم ہو گئیں......دس سال پہلے ماہین پیدا ہوئی تھی۔ سب ہسپتال کے کمرے میں خوشی کی اطلاع کے منتظر تھے دروازہ کھلا اور نرس بچی کو دکھا کر نرسری میں لے گئی۔ تھوڑی دیر بعد صبا کو آپریشن تھیٹر سے باہر لایا گیا تو وہ ہنوز غنودگی میں تھی۔ نرس نے شاکرہ بیگم سے کوئی چیز مانگی وہ کمرے میں سامان کی جگہ پر پہنچی ہی تھیں کہ شہناز بھابی ڈپٹتی ہوئی آئیں کہ کیا چاہیے؟ لہجہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ صرف میرا حق ملکیت ہے! ایک لمحے کو کمرے کی فضا بوجھل سی ہو گئی۔ پھر ان کو اپنے رویہ کی بدصورتی کا احساس ہوا تو کچھ معذرت خواہانہ لہجہ ہو گیا مگر شاکرہ کی آزردگی عدیل نے بھی محسوس کی۔ اس وقت نرس بچی کو لے کر آئی تو شہناز بھابی نے ان کی گود میں دیتے ہوئے کہا کہ بھئی تم تو دادی ہو...... الفاظ اور لہجہ دونوں پچھلے رویے کی تلافی کا مظہر تھے مگر اسی وقت صبا نے آنکھیں کھول کر ماں کو اشارہ کیا کہ اسکو آپ گود لے لیں۔

اور پھر اس کے بعد تو یہ ہی ہوا کہ کبھی اگر عدیل ماہین کو دادی کی گود میں بٹھاتے تو کسی نہ کسی بہانے غیر محسوس طریقے سے صبا واپس لے لیتی۔ پہلے تو انہوں نے اس بات کو اتنا سیریس نہیں لیا تھا مگر بہر حال بچوں اور ان کے درمیان فاصلہ قائم رکھنے کی پالیسی نے بچوں میں انسیت کبھی نہ پیدا ہونے دی۔ وہ پہلے اگر اس بات کو سوچتیں کہ خاندان کے دیگر بچے اور عمومی طور پر بھی بچوں میں مقبول ہونے کے باوجود وہ اپنے گھر کے بچوں کے لئے کیوں اجنبی ہیں تو اسے وہ بچوں کی بے مروتی ہی سمجھتیں لیکن اب ان کو احساس ہو رہا تھا یہ تو پچھلی نسل کا منتقل ہونے والا رویہ ہے۔ انہیں یاد آ رہا تھا کہ ماہین اور سرمد کس طرح انہیں نظر انداز کرتے تھے۔

کئی دفعہ بچے ہوم ورک کرتے کرتے کسی مدد کے طلبگار ہوتے اور وہ بچوں کے قریب بیٹھی ہوتیں مگر وہ ان کے بجائے اپنی ماں کو کسی مصروفیت سے کھینچ تان کر پوچھتے۔ اس وقت تو وہ اسے ماں بچوں کا ایک فطری اشتراک سمجھتیں لیکن یہ بھی اسی رویہ کی کڑی تھا۔ اکثر کوئی سوال صبا کو بھی سمجھ میں نہ آتا تو بچے عدیل کا انتظار کرتے مگر یہ نہ ہوتا کہ دادی

سے پوچھ لیں جو یقیناً اس پر عبور رکھتی تھیں۔ اس وقت وہ دفع شر کی خاطر خاموش ہو جاتیں کیونکہ ایک آدھ دفعہ انہوں نے اس معاملے میں صبا کی بدزبانی سہی تھی جب وہ بچوں پر پل پڑی تھی کہ ابو کا انتظار کیوں نہ کیا؟ بچوں کا اسکول میں داخلہ ان کے تعارف سے ہی ممکن ہوا تھا کیونکہ اس اسکول کا معیار اتنا کڑا تھا کہ بچے کوالیفائی نہ کر سکے مگر شاکرہ فصیح کے نام پر انہیں داخل کر لیا گیا تھا۔ اس اسکول کے اکثر اساتذہ ان کے شاگرد یا پھر کولیگ رہ چکے تھے اور جب وہ بچوں کے یا صبا کے ذریعے ان کے لئے تہنیتی کلمات بھیجتے تو بڑی ناگواری سے ان تک پہنچائے جاتے۔ انہیں کئی دفعہ صبا کی ناسازی طبیعتکی اطلاع بھی ان کے کسی کولیگ کے ذریعے سے ہی ملی جس پر ان کا دل بہت کڑھا بھی مگر وہ سب کچھ بہت جلدی بھول بھال جاتی تھیں۔ لیکن اس وقت حمنہ کے مطالبے پر ماہین سمیت سب کے فق ہوتے چہرے نے ان کو ایک فیصلہ پر مجبور کر دیا۔

اگلے چند دنوں میں انہوں نے عدیل کو اپنا پاسپورٹ ری نیو کروانے کو دیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ چند ہفتوں پہلے ہی تو شکیل کے اس مطالبے پر انہوں نے صاف کہا تھا ابھی میرا کوئی پروگرام نہیں۔ مگر اب یہ اس بات کا مظہر تھا کہ وہ شکیل کے پاس امریکہ جانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ اور پھر کینیڈا! یہ قیام تو سالوں پر محیط ہو سکتا ہے۔ صلح جو اور امن پسند شاکرہ فصیح نے عدیل اور اس کی فیملی کو امتحان اور شرمندگی سے بچانے کے لئے یہ کڑوا گھونٹ پینے کا فیصلہ کیا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصے میں وہ یہ تلخی بھول جائیں اور پھر واپس آ جائیں مگر یہ طے ہے کہ عمر کا کوئی بھروسہ نہیں!!! ان کے اس فیصلے پر جہاں شکیل، ماریہ، ناجیہ اور ربیعہ خوشی سے کھل اٹھے وہیں صبا بھی ہلکی پھلکی ہو گئی۔

پہلے گھر میں ہونے کی وجہ سے عدیل ماں سے رسمی سلام دعا کے علاوہ بیوی بچوں کے ڈسپوزل پر ہی ہوتا تھا، مگر اب روزانہ ماں سے ملاقات کرنے کی وجہ سے دیر سے گھر لوٹتا۔ تھکاوٹ اور کچھ اپنے گھر کا سعدیہ کے گھر سے موازنہ اسکے موڈ کو بحال نہ ہونے دیتا۔ شاکرہ بیگم کی امریکہ روانگی کے پیچھے یہی سوچ تھی کہ موجودہ صورتحال تو صبا کے لئے اور تکلیف دہ ہے لہٰذا ان کا منظر سے ہٹ جانا ہی بہتر ہے کہ عدیل کو کم از کم گھر کا سکون تو نصیب ہو!

دادی تو چلی گئیں مگر صبا کا معاملہ یہ تھا کہ اب اس کے مسائل نے انڈے بچے دینے شروع کر دیئے تھے۔ پہلے تو دادی کے دباؤ یا پھر ماں کی شرمندگی سے بچانے کیلئے بچے کسی حد تک سلجھے ہوئے رہتے تھے مگر اب خوب پر پرزے نکال رہے تھے دوسروں کے لئے منفی جذبات سکھانے کے سب سے زیادہ اور پہلے متاثرین تو والدین خود ہوتے ہیں۔ خودغرضی کے جراثیم پھیلتے ہیں تو سب سے پہلے قریبی لوگ اس کی لپیٹ میں آتے ہیں۔ بچے بے انتہا جھگڑالو اور منہ پھٹ ہو چکے تھے۔ اسکول سے مستقل رپورٹیں آ رہی تھیں کہ شیئرنگ اور برداشت بالکل نہیں ہے! کئی اساتذہ نے دبے دبے لہجے میں جبکہ ایک دو نے براہ راست یہ کہا کہ لگتا ہی نہیں ہے کہ یہ بچے شاکرہ فصیح کے زیر سایہ رہتے ہیں۔ اب انہیں کیا پتہ کہ وہ تو قریب رہتے ہوئے بھی ان کی زندگیوں میں شامل نہیں تھیں۔

ان کو امریکہ گئے ہفتہ بھر ہو چکا تھا۔ عدیل ویب کیم کے ذریعے ہر رات ماں سے محو گفتگو ہوتا اور کیمرہ جو کچھ دکھا رہا ہوتا وہ بھی اس کی آنکھیں کھول دیتا۔ بھابھی اور بچوں کا ان کے ساتھ دوستانہ اور اپنایت بھرا رویہ! شرمندگی اور پچھتاوے کی آگ صبا کو اندر تک جلا ڈالتی۔ آئینہ تو انسان کو بری نہیں کرتا۔ سچ سچ بتا دیتا ہے! جی ہاں ضمیر نام کا آئینہ انسان کو خود احتسابی پر مجبور کر ہی دیتا ہے!

آج وہ صبح سے انہی سوچوں میں تھی کہ اچانک نائلہ آ گئی۔ صبا کی بہترین دوست! وہ چھ ماہ سے ملک سے باہر تھی۔ ویسے تو وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوتی صبا سے رابطے میں رہتی مگر اب وہ جہاں تھی سگنل کے مسائل کی وجہ سے حال احوال سے بے خبر رہی۔ اب جو اس نے گھر کی کایا پلٹ دیکھی تو اپنے خوشی کے جذبات نہ چھپا سکی اور صبا کو ڈانٹنے لگی کہ اتنی بڑی فتح کے بعد کیوں منہ لٹکا رکھا ہے۔ دراصل یہ نائلہ ہی تھی جس نے اپنی ساس کے مظالم کے قصے سنا سنا کر صبا کو اپنی ساس کو سمجھنے ہی نہ دیا۔

''............اوئے تو نے تو وہ ترکیب استعمال کی جو آج تک میرے ذہن میں نہ آئی'' اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں ساس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے یقینی فارمولے کا علم حاصل ہونے پر! بس ان کو زچ کرنا ہے!!

صبا کو ندامت سے نکال کر وہ گنگناتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تو ساس صاحبہ ٹی وی کے آگے براجمان تھیں۔ اس کو دیکھ کر انہوں نے شانے اچکائے اور پھر اسکرین پر نظریں جما دیں۔ نائلہ اتنی پر جوش تھی کہ اس نے کامیابی کے فارمولے کو فوری طور پر اپنانے کا فیصلہ کیا۔ اتنے کم وقت میں اس کے پاس چینلز سے رابطہ کرنے کی مہلت نہ تھی لہٰذا اس نے سوچا کہ جب پسینہ بہائے بغیر کام ہو سکتا ہے تو محنت کی کیا ضرورت ہے؟

وہ کارڈ لیس فون لے کر ایسی جگہ آ گئی جہاں سے گفتگو ساس بآسانی سن سکیں اور نمبر ڈائل کئے بغیر شروع ہو گئی۔

''......جی میں کراچی سے نائلہ سکندر بول رہی ہوں...... میری ساس......آپ ضرور مجھے کوئی وظیفہ بتائیں!'' تھوڑی دیر جیسے جواب کا انتظار کیا اور پھر شکریہ کہہ کر فاتحانہ انداز میں ساس کو دیکھتے ہوئے فون بند کر دیا۔ ساس صاحبہ نے ٹی وی کو mute کر کے پورا مکالمہ سنا اور مسکرائیں۔

نائلہ کو جعلی فون کیے چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے مگر ساس اسی جاہ و جلال کے ساتھ موجود تھیں بلکہ ان کے طنزیہ جملوں اور بارود بھری گفتگو میں کہیں اضافہ ہو گیا تھا۔ نائلہ بڑی ڈسٹرب تھی۔ یہ داؤ بھی ناکارہ ہو گیا۔ اسی بے خیالی میں اس نے ٹی وی کھول دیا اور وہ چونک پڑی۔ ایک مشہور مارننگ شو میں لائیو کال لی جا رہی تھی۔

''...... جی میں عقیلہ فخر الدین بول رہی ہوں کراچی سے! میری بہو...... بس مجھے اس سے چھٹکارا حاصل ہو...... میں اپنے بیٹے کا دوسرا گھر آباد کرنا چاہتی ہوں ....''

نائلہ نے اپنی ساس کو ٹی وی اسکرین پر سنا۔ اس کی آنکھیں شدت غم سے بند ہونے لگیں اور وہ سیڑھیوں سے پھسلتی نیچے آ گری۔

☆☆☆

مُندری

شہر سے ذرا باہر ایک جھونپڑی بنی تھی۔ جھونپڑی کیا تھی، چار لکڑیاں گاڑ کر اوپر گھاس پھونس ڈال دیا گیا تھا۔ چماروں کا کنبہ تھا۔ بوڑھا ماجھا، اس کا بیٹا سونا اور ایک لڑکی مندری۔ ماجھے کی عمر ستر کے لگ بھگ تھی ...... ٹی بی کا مریض، سیاہ کالا رنگ، سوکھا سڑا جسم، پچکے بے نور چہرے پر بھوک اور بیماری کی پرچھائیاں ہویدا...... رات دن ایک کونے میں ایک میلا چیکٹ کمبل اوڑھے پڑا کھانستا رہتا۔ آس پاس جگہ جگہ تھوک اور بلغم کی پیپڑیاں جن پر مکھیاں بھنبھناتی رہتیں۔ سونا پچیس کا ہوگا، لمبا تڑنگا مگر پتلا سکڑا اور روکھا پھیکا۔ رنگت میں باپ ماجھے سے بھی گیا گزرا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں، لمبی ناک، پتلی سی مونچھیں، کائی کی طرح کے بے ڈھنگ بال، کچھ کام ملتا تو کر لیتا ورنہ دن بھر آوارہ پھرتا اور رات کو آ کر ایک طرف پڑ رہتا۔ مندری سونے ہی کی عمر کی چھوٹے قد اور دوہرے بدن کی عورت تھی۔

کئی برس پہلے جب ماجھا دھندے پر جاتا تھا تو کسی ڈھیر سے ترس کھا کے اٹھا لایا تھا۔ تبھی سے یہاں تھی۔ کچھ مانگ تانگ لاتی اور کھا پی لیتی، بچ رہتا تو بوڑھے اور سونے کو بھی دے دیتی۔ تینوں کی زندگی عرصے سے یوں ہی گزر رہی تھی۔ بوڑھا ماجھا تو اب بہت ساری فکروں سے آزاد ہو چکا تھا۔ بس فرشتۂ اجل کے انتظار میں زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ لیکن مندری اور سونے کے دل میں کبھی کبھی اچھا کھانے اور اچھا پہننے کی آرزو سر اٹھاتی۔ وہ اکٹھے بیٹھ کر اکثر سوچتے لیکن کچھ بن نہ پڑتا۔ کرتے بھی تو آخر کیا۔ کوئی ڈھنگ کا کام انھیں آتا ہی کب تھا اور اگر آتا بھی ہوتو کوئی بھلا انھیں کام پر کیونکر لگانے لگے...... چمار جو ہوئے، پلید، پاپی، گندے...... آج وہ دونوں اکٹھے بیٹھے تھے مندری سائیں بابا کے مزار سے تھیلا بھروا کر سلونے چاولوں کا لائی تھی۔ ماجھے کو تھوڑے سے دے کر باقی وہ دونوں کھا رہے تھے۔ یوں جیسے بھوکے گدھ۔ سونا کہہ رہا تھا واہ مندری واہ آج مجہہ آ گیا۔ تو واقعی بڑی سندر ہے۔ کل ابا کہہ رہا تھا کہ میں تم سے بیاہ کر لوں۔ تو راجی ہے ناں مندری! مندری چہک اٹھی، ابے جو ماجھے کی مرجی وہی اپن کی مرجی...... پھر دونوں کا بیاہ بھی ہوگیا۔ بیاہ کیا تھا بس ایک دن ماجھے نے مندری کا ہاتھ پکڑا اور سونے کے ہاتھ میں دے دیا۔ بس اللہ اللہ۔ نہ مولوی آیا، نہ لوگ جمع ہوئے، نہ کپڑے بنے، نہ کھانے پکے۔ کئی کئی دن فاقوں رہنے والے چمار بھلا یہ سب کیونکر کر سکتے تھے۔ شادی کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ماجھا چل بسا۔ کفن دفن کے لیے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ دن بڑی مشکل سے گزرا۔ رات کا اندھیرا گہرا ہوا تو دونوں

اسے چبکے سے اٹھا پاس والے قبرستان میں دبا آئے۔اب دونوں جھونپڑی میں گم صم بیٹھے اندھیرے میں گھور رہے تھے۔مندری کورونا آ رہا تھا۔نہ جانے کیوں آج اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دھاڑیں مار مار کے روئے، عجب وحشت سی ہو رہی تھی، ساری جھونپڑی سونی سونی سی لگ رہی تھی۔ ماجھا تھا تو چلو کھانستا تو تھا، زور سے آئے وائے تو کرتا تھا، اس کی سانسوں کی آواز تو آتی تھی۔اب وہ نہیں تو کتنی بے رونقی ہے۔ہائے اللہ اس نے مجھے پالا پوسا لیکن میں اسے کچھ بھی نہ دے سکی۔اس کا کفن تک نہ بن سکا۔کچھ اسی طرح کے خیالات سونے کے بھی تھے۔کیا ہمارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ہم بھی یونہی کھپ مریں گے۔کیا ہماری قسمت میں یہی لکھا ہے۔نہ نہ ایسا نہیں ہونا چاہیے...... پھر دونوں نے مل کر عہد کیا کہ وہ کام کریں گے، محنت کریں گے اور پیسے کمائیں گے ...... کام بھی سوجھ گیا، پورا منصوبہ ترتیب پا گیا، کل سے کام شروع۔کل سے ہم شہر سے کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے یہاں لائیں گے۔بلدیہ والے دس روپے فی من کے حساب سے خرید رہے ہیں تاکہ بھنگیوں کو رغبت ہو اور وہ شہر کی صفائی صحیح طور پر کریں ...... پھر اگلے دن سے کام شروع بھی ہو گیا۔ دونوں صبح نکلتے اور شام تک شہر کی سڑکوں اور گلیوں سے کوڑا اٹھا اٹھا ایک جگہ ڈھیر لگاتے جاتے۔خوب ڈھیر لگ چکتا تو بلدیہ والوں کا ٹرک آتا، وزن ہوتا اور پھر ایک نئے ڈھیر کے لیے کام شروع ہو جاتا۔اب ہر ہفتے سونے کی جیب میں ایک لال نوٹ آنے لگا۔وہ ان نوٹوں کو سنبھال کر رکھتے جاتے۔اکثر کوڑے سے کھانے پینے کی اشیا چھانٹ کر پیٹ بھر لیتے اور اگر کچھ نہ بھی ملتا تو سائیں بابا کے مزار سے چاولوں کا لفافہ بھروا لیتے۔دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ایک دن جب وہ کوڑا اکٹھا کر رہے تھے تو مندری چکرا سی گئی۔سونا قریب نہ ہوتا تو شاید گر جاتی۔سونا پوچھ رہا تھا۔اری مندری تجھے کا ہوا رے!! وہ بولی سونے مجھے گھر لے چل۔میرے پیٹ میں کچھ ہووت ہے، سر گھومے ہے ...... اتنے میں اسے زور کی قے ہوئی۔سونا اسے فوراً گھر لے گیا۔پانی پلایا، سر دبایا لیکن وہ رات بھر تڑپتی رہی، آئے وائے کرتی رہی۔صبح ہوتے ہی سونا اسے قریبی ہسپتال لے گیا۔کسی نے اسے منہ نہ لگایا۔کافی دیر وہ مندری کو لیے ہسپتال کے برآمدے میں بیٹھا رہا۔مندری کی کراہیں دل دہلا رہی تھیں۔بہت منت سماجت کے بعد چپراسی نے اسے لیڈی ڈاکٹر کے پاس جانے دیا۔مندری کو فوری آپریشن کی ضرورت تھی۔اس سے پہلے دوائیوں کی ایک لسٹ اسے دی گئی، وہ دوائیاں لینے گیا تو پورے آٹھ مہینوں کی کمائی ایک پل میں ہوا ہوگئی۔مندری درد سے بلبلا رہی تھی۔وہ کہہ رہی تھی، سونے! میں نہ بچوں ہوں، میری جندگی اب بس ہے اور پھر تھوڑی دیر بعد اس کی آہیں، کراہیں اور چیخیں دم توڑ گئیں۔اب اسے آپریشن کی ضرورت نہ تھی۔وہ چپ چاپ اسے کندھوں پر اٹھائے واپس جھونپڑی میں آ گیا۔اب وہ سوچوں میں گم تھا۔مندری کے کفن کے لیے، قبر کی کھدوائی کے لیے، مولوی صاحب کی خدمت کے لیے اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔بجھی بجھی آنکھوں سے وہ اس کی لاش کو دیکھے جا رہا

تھا۔ اسے خیال آیا کہ کیوں نہ ماجھے کی طرح اسے بھی گڑھا کھود کر دبا دے لیکن اچانک ایک اور خیال نے اس کے دل میں کروٹ لی۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ اٹھا اور ایک پرانے بورے میں مندری کی لاش ڈال کر اوپر سے گرہ لگا دی ...... صبح ہفتے بھر کے جمع شدہ کوڑے کا وزن ہونا تھا...... وہ سوچنے لگا...... بہت کم ہوئی تب بھی دو من تو ہو گی!

داستانِ عطاو بخشش

خدا کے فضل سے ہمیں بہت اچھا گھر ہسپتال سے کچھ فاصلے پر مل گیا وہاں سے موٹروے قریب تھی جو کہ اسلامک مشن گلاسکو کی طرف جاتی تھی۔ ہمارا ہفتے کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔ آدمیوں کا حلقہ درس وتدریس اتوار کو ہوتا تھا۔ انہوں نے اتنی تیزی سے قرآن پڑھنا سیکھا اور اس کی تعلیمات پر عمل شروع کر دیا کہ میں تو بہت پیچھے رہ گئی۔

پھر مجھے بتانے کا ایک وقت طے ہوا۔ بچے اکثر آٹھ ساڑھے آٹھ بجے سو جاتے تھے۔ اس وقت ایک گھنٹہ انہوں نے مجھے پڑھانا شروع کیا قرآنِ پاک کے احکامات بلکہ ان کے انسانی نفسیات پر اثرات بھی بتائے رسولِ پاک کی زندگی کے بارے میں اور عشرہ مبشرہ کے چیدہ چیدہ حالات زندگی کا بھی تذکرہ ہوتا۔

میرے ذہن میں اگر کوئی سوالات پیدا ہوتے تو نہایت حکیمانہ انداز میں جواب دیتے۔ ایک مرتبہ آدمی کی چار شادیوں کے بارے میں بہت اچھا بتایا۔ اگر آدمی پر شادی کے باہر جنسی تعلق پر اتنی سخت سزا ہے تو اللہ رحمٰن رحیم ذات نے کچھ آسانیاں بھی تو دینی تھیں۔

پھر ایک مرتبہ عورت کو مارنے کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے یہ بڑا گہرا نکتہ ہے مارنے کا حکم صرف اس وقت ہے جب عورت بدچلن ہو جائے۔ ہمارے جاہل مولوی بات بات پر ہاتھ اٹھاتے ہیں یہ صریحاً غلط ہے۔ لیکن عورت اگر بدکردار ہو جاتی ہے اور آدمی کے کہنے میں نہیں رہتی اور آدمی سنگین پابندیاں نہیں لگاتا تو ایک عورت فحاشی پھیلانے میں بہت سے خاندانوں کو برباد کرتی ہے جبکہ آدمی اگر بدکردار ہوتا ہے تو اس وجہ سے ایک ہی خاندان برباد ہوتا ہے۔ غور کیا جائے تو رب کائنات نے تمام اصول وقواعد انسانوں کی فلاح کیلئے بھیجے ہیں۔

اب میرے اندر بھی دین کی سوجھ بوجھ اور شوق پیدا ہو رہا تھا۔ کبھی کوئی اسلامک کانفرنس یا نومسلم کے لیکچر ہوتے تو مجھے ساتھ لیکر جاتے۔

کرسچن خواتین کیلئے لیکچر

کبھی ایسے ہوتا کہ کسی چرچ سے خواتین کا گروپ اسلام کی بنیادی تعلیمات جاننے آتا تو وہاں کی انتظامیہ (ان دنوں اختر سعید بھٹہ سیکرٹری اور ڈاکٹر ذکاء ناظم تھے) مجھے پہلے سے مطلع کرتے۔ ذکاء کی مدد سے انگلش میں اچھا لیکچر بلکہ دو تین قسم کے لیکچر تیار ہو گئے تھے۔ چند ایک ایسی خواتین کو بھی اسلام کا بتانا پڑا جن سے کسی مسلمان نے شادی صرف برطانیہ میں رہنے کیلئے کی تھی بعد میں ایک یا دو بچوں کے ساتھ ادھر چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے گئے تھے اور کبھی اسلام کا بتایا ہی نہیں۔ دل میں بہت شرمندگی بھی ہوتی اور ان خواتین پر بہت ترس بھی آتا اکثر غریب گھرانوں سے ہوتی تھیں۔

1975ء میں ڈاکٹر ذکاء کو پھر دل کا دورہ پڑا، ساتھ پیٹ میں بھی بہت درد رہتا تھا۔ کچھ خاص قسم کے ٹیسٹ ہونے تھے جس کے لیے ایڈنبرا شہر کے بڑے ہسپتال میں داخل ہوئے۔ بچے دونوں سکول جاتے تھے صرف صفائی کیلئے ایک عورت آتی تھی۔ کہیں ضروری جانا پڑتا تو وہ بچوں کے پاس گھر آ جاتی تھی۔ ہسپتال داخلہ کیلئے میں ساتھ گئی شام سے پہلے گھر واپس آ گئی وہ جگہ تقریباً گھر سے بیس میل دور تھی۔ دوسرے دن ان کا صبح ہی فون آ گیا

''تمہیں آنے کیلئے منع کیا تھا۔ مگر سخت بور ہوں کچھ پڑھنے کو

نہیں ہے تھوڑی دیر کو آؤ بال جبریل اور میرا پر ہیزی کھانا لے آنا''
سب کو معلوم تھا اس شام سخت طوفانی برفباری کی پیشینگوئی تھی گھروں سے نکلنے کو منع کیا گیا تھا۔

اس روز میری چھٹی نہیں تھی کچھ ماہ پہلے ہی میں نے کیمونٹی ہیلتھ سروس کا جاب شروع کیا تھا حاضری دینی ضروری تھی۔ کلینک سے جلدی آئی بچوں کو سکول سے گھر چھوڑا اور مسز پیٹرسن کو ان کے پاس چھوڑ کر روانہ ہونے لگی تو بڑی گاڑی سٹارٹ نہ ہوئی اس لیے چھوٹی فیٹ (Fiat) میں جانا پڑا۔ گھنٹہ راستے میں لگتا تھا تھوڑی دیر ہی رُکی تو انہوں نے جانے کو کہا۔ مجھے بھی بچوں کی فکر تھی اس لیے فوراً ہی روانہ ہوئی۔

اللہ کی قدرتوں کے کرشمے

ابھی بمشکل آدھا راستہ گذرا ہوگا کہ برفانی طوفان کے آثار نمودار ہونے لگے۔ بس دل ہی دل میں اللہ سے حفاظت کی دعائیں زبان پر آیۃ الکرسی اور آنکھیں سڑک پر لگائے گاڑی چلاتی رہی۔

بمشکل پانچ گز تک سڑک نظر آ رہی تھی۔ بہت سے ٹرک اور بڑی بسیں سڑک کی سائیڈ پر کھڑے تھے مگر میں تو رُک نہیں سکتی تھی۔ اللہ کے آسرے پر آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے خلا میں چل رہی ہوں۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد اپنے علاقہ کا بورڈ نظر آیا خدا کا شکر ادا کیا۔ اس دوران طوفان بھی تھمنے لگا تھا۔ اگلے دس منٹ بعد میں گھر کے باہر کھڑی تھی دروازے پر بیل کی تو سب بھاگے آئے دونوں بچے میرے ساتھ لپٹ گئے اور مسز پیٹرسن حیرانگی سے دیکھنے لگی بولی۔

''اس طوفان میں کیسے آئی ہو۔''

جواب دیا ''اسی کو یاد کرتے ہوئے جس کے حکم سے طوفان آتے ہیں۔'' وہ مسکرائی اور بولی

''مجھے اب ایک کرسمس کی پارٹی پر جانا ہے اس لیے اجازت لیتی ہوں'' وہ قریب ہی کونسل کے گھروں میں رہتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہسپتال سے فون آیا بیٹے نے بھاگ کر سنا اور باپ کو اطلاع دے دی کہ امی خیریت سے پہنچ گئی ہیں۔ اس واقعہ کے بعد اللہ کی ذات پر اعتماد و یقین اور بڑھ گیا۔

ہم لوگ تقریباً آٹھ سال ہسپتال کے ایک بڑے فلیٹ میں رہے اگرچہ وہ نفسیاتی مریضوں کا ہسپتال تھا مگر ماحول بڑا پُرسکون تھا۔ اس زمانہ میں سہولتیں بھی بہت ملتی تھیں۔ ادھر کچھ ایسے پاکستانی ڈاکٹر بھی رہتے تھے جو صبح کو کسی اور ہسپتال میں کام کرتے تھے۔ اس جگہ چند ایک نائیٹ ڈیوٹی کرتے تھے اس کے عوض ان کو رہائش ملی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر ذکاء کے دوست ڈاکٹر طاہر سعید ہارون دن میں جلد کے محکمہ میں گلاسکو کے بڑے ہسپتال میں کام کرتے تھے۔ رہائش وڈلی ہسپتال میں تھی۔ ان کی شادی انجم سے ہوئی وہ بھی کچھ سال ادھر رہیں ہماری بہت دوستی ہوگئی بعد میں انہوں نے اپنا گھر خرید لیا۔ وہ دوستی آج تک قائم ہے۔

ہم نے جس علاقہ میں گھر خریدا اس کا نام ویشا مدرویل (Wishaw motherwell) ہے۔ سب سے اچھی سڑک کا آخری گھر تھا اس کے بعد خوبصورت کلائیڈ ویلی (Clyde valley) شروع ہو جاتی ہے۔ اس علاقہ میں بہت سے کونسل کے گھر تھے جنہیں حکومت کم آمدنی کے لوگوں کو بالکل تھوڑے کرایہ پر دیتی ہے۔ یہاں لوگ بھی جاہل قسم کے رہتے ہیں ان کے بچے زیادہ تعلیم حاصل نہیں کرتے بدکردار اور بداخلاق ہوتے ہیں۔ یہ میرے لیے بہت نیا تجربہ تھا کہ اس تہذیب یافتہ قوم کے افراد ایسے بھی ہو سکتے ہیں؟ البتہ تھوڑے سے گھرانے شریف النفس لوگوں کے بھی تھے انہیں میں سے مسز پیٹرسن گھر کا کام کرنے کیلئے مل گئی تھی۔

یہ بات بچپن سے سنتے آئے تھے کہ جو ضرورت ہو اللہ سے مانگنی چاہیے آپ کا ارشاد ''جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹے تو اللہ سے مانگو'' ذہن میں رہتا ہے بزرگ دادا اور دادی اماں باتوں باتوں میں اچھی باتیں بتایا کرتے تھے۔ آج پتہ چلتا ہے کہ بزرگوں کے ساتھ رہنے کی کتنی برکتیں اور فوائد ہوتے ہیں۔

چند ماہ میں گھر جب سیٹ ہو گیا تو سروس کرنے کیلئے بہت وقت

تھا پھر اپنے رب سے نفل حاجت پڑھ کر ایسی نوکری مانگی جس میں آدمیوں کے ساتھ کام نہ ہو اور پارٹ ٹائم ہو۔ جب پہلے دن اس علاقہ میں آئے تھے تو میں نے سکارف اور لمبا کوٹ پہن رکھا تھا یہ بھی اسی پروردگار کی توفیق سے ہوا۔ جب شوہر سے بات کی اپنا ارادہ بتایا تو ڈاکٹر ذکاء نے مجھے اس علاقہ کے میڈیکل بورڈ کے دفتر کا نمبر لا دیا بلکہ ڈائریکٹر کا نام بھی بتایا اور کہا ''میرا حوالہ نہ دینا جن کے ساتھ کام کیا ہے ان کا بتانا اور شادی سے پہلے کے نام یعنی ثمین مجید کے نام سے عرضی دینا۔ ویسے میری جنرل میڈیکل کونسل سے رجسٹریشن بھی اس نام سے تھی۔

ایک صبح دعا کی اور علاقہ کے سب سے بڑے میڈیکل ڈائریکٹر ڈاکٹر ینگ سے بات کی۔ اس نے ایک ہفتہ بعد انٹرویو کیلئے وقت بتا دیا۔

جب میں نے بچوں کی بیماری میں ہاؤس جاب کیا تھا تو اندازہ ہوا شدید بیمار بچوں کو دیکھ کر مجھے سخت ذہنی پریشانی لگ جاتی تھی اور میں سینئر ہاؤس آفسر کو بلا بھیجتی تھی اسی طرح اگر کوئی بچہ اتنی زیادہ سانس کی تکلیف سے آتا کہ گلے میں ٹیوب ڈالنے کی ضرورت ہوتی سانس کی نالی کے اندر، تو مجھ سے یہ کام بھی نہ ہوتا تھا۔ جب ذہنی مریضوں کے متعلق انٹرویو وغیرہ لینے شروع کیے کہ دماغی بیماریوں کی مزید تعلیم حاصل کروں تو ان کے حالات زندگی مجھے پریشان کرتے۔ عام طور پر میں جسمانی بیماریوں کیلئے ہی معائنہ اور علاج کرتی تھی۔

اسی کشمکش میں تھی کہ مجھے آئندہ کیا کرنا چاہیے۔ ایک دن ڈاکٹر ذکا نے مجھے ایک بروشر لا کر دیا، ایڈنبرا یونیورسٹی کے میڈیکل شعبہ میں بچوں کی بیماری اور پرورش وصحت کے بارے میں پروفیسر Huchison کا کورس شروع ہو رہا تھا۔ ''معلومات حاصل کرو اور فیس وغیرہ جمع کراؤ بہتر ہے کہ تم یہ کورس کرلو' ذکاء صاحب نے ہی مجھے بتایا تھا کہ ایسی جاب بھی ہوتی ہے جس میں سکول کے بچوں کے معائنہ کلینک اور چھوٹے بچوں کے کلینک اور سکول داخل ہونے پر معائنہ وغیرہ ہوتا ہے، اس میں اس کورس کا فائدہ ہوگا۔ اس زمانہ میں وڈلی ہسپتال کے پاس ٹرین رُکتی تھی اور پھر سیدھا ایڈنبرا جاتی تھی۔ یونیورسٹی سے تھوڑے فاصلہ پر ہی ٹرین سٹیشن تھا۔

انٹرویو کے دن اس دفتر میں وقت پر پہنچی۔ ڈاکٹر ینگ نے اپنا تعارف کرایا اور دوسرے ڈاکٹر کا بھی نام بتایا۔ پھر چند ایک سوال ماضی کے تجربہ کے بارے میں پوچھے۔ میں نے پروفیسر Huchison کے کورس کا بتایا تو انہیں اچھا لگا۔ میری انگلی میں شادی کی انگوٹھی دیکھ کر بولے تمہارا شوہر کہاں کام کرتا ہے۔ انہیں ہارٹ وڈ ہسپتال کا بتایا۔ پھر نام پوچھا۔ تو یکدم دونوں مسکرائے ''وہ تو ہمارے بورڈ میں ہیں ہر دو ماہ بعد میٹنگ ہوتی ہے اور اس میں سب کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔''

اس طرح کا رویہ تھا جیسے ان لوگوں کو اطمینان ہو گیا کہ میں بالکل اجنبی نہیں ہوں۔ ساتھ ہی میری ڈیوٹی بتا دی اور کہا بروز پیر کام شروع کردو۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔

پرائمری سکول میں جو بچے داخل ہوتے ان کا پورا معائنہ کرنا ہوتا تھا سکول نرس ہمیشہ ساتھ ہوتی تھی اور کلینک کے دوران Health Visitor ساتھ رہتی تھی۔

وہاں پر سولہ سال کی عمر تک تعلیم لازمی ہے۔ سکول ختم کرنے کے بعد تمام بچوں کا طبی معائنہ ہوتا ہے اور ایک مفصل فارم بھی بھرنا ہوتا ہے کیونکہ پڑھائی میں کمزور بچے جو کہ اکثر غریب گھرانوں سے ہوتے ہیں فیکٹری میں ملازمت کر لیتے ہیں۔

ایک روز سکول نرس کے ساتھ معائنہ کے کمرہ سے باہر آئے تو چھٹی کا وقت ہو چکا تھا اور کچھ لڑکے ایک چھوٹے سے خوبصورت ہرن کے بچے کی شکل والے 'کین' (Can) سے کچھ پی رہے تھے۔ نرس سے پوچھا کہ کونسا مشروب پی رہے ہیں۔ وہ بولی یہ غلط چیز پی رہے ہیں اس کا نام ''بے بی شیمپین'' ہے، حکومت کی ڈبل پالیسی ہے ایک طرف کہتے ہیں نوجوان شراب کے عادی ہو رہے ہیں دوسری طرف شراب کی فیکٹریوں کو بچوں کی شراب بنانے سے منع نہیں کرتے۔ اس روز وہ نرس کافی باتیں کرنے کے موڈ میں تھی۔ ذرا وقفے کے بعد بولی، شاید

آپ کومعلوم نہ ہوا اب یہاں جنسی تعلیم شروع ہو چکی ہے۔ والدین نے اس کی بہت مخالفت کی مگر ان کی کسی نے نہیں سنی۔ پھر بولی اس سے بھی خطرناک بات یہ شروع کر دی ہے کہ آخری سال کے طلباء وطالبات کو اختیاری مضمون کے طور پر کالا علم اور جادو وغیرہ سکھائے جاتے ہیں۔ کہنے لگی، یہ سن کر تو میں سخت پریشان ہوئی اور اس سے کہا یہ تو بہت بڑے گناہ کی بات ہے۔ وہ کہتی ہے ڈاکٹر اب اس معاشرے میں گناہ وثواب کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ میں تو اچھی کرسچن ہوں اور اتوار کو چرچ جاتی ہوں جبکہ وہاں حاضری کافی کم ہوتی ہے۔

اس وقت کے نوجوانوں کی بے راہ روی دیکھتے ہوئے چند سنجیدہ قسم کے لوگوں نے ایک تنظیم بنائی جس میں مذہبی لوگ شامل تھے اس کا نام Sharing of faith comittee) شیرنگ آف فیتھ کمیٹی رکھا۔ اس کی انچارج سوشل ورکر مس رِ کی تھی۔ نہایت سمجھدار، ہمدرد، مخلص اور محنتی درمیانی عمر کی خاتون تھی۔ ہر ماہ گلاسکو شہر میں چھٹی کے دن باری باری مختلف مذاہب کے لوگ لیکچر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ذکاء کو بھی اس کمیٹی کا ممبر بنایا گیا۔ بچوں کو ٹائم دینا ہوتا تھا اس لیے میں اس میں شامل نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی باری کے دن سورہ فاتحہ کا انگلش میں بڑا اچھا ترجمہ بتایا تو لوگوں نے پوچھا یہ کہاں سے پڑھا ہے۔ جب انہوں نے بتایا کہ یہ ہماری الہامی کتاب کا پہلا باب ہےتو وہ سب بہت متاثر ہوئے۔

پارٹ ٹائم ڈیوٹی کرتے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ محکمہ کی طرف سے خط وصول ہوا کہ پورے ٹائم کیلئے جگہ خالی ہے اگر میں ڈیوٹی کرنا چاہوں تو بتادوں۔ شوہر سے مشورہ کرنے کے بعد نو بجے سے چار بجے تک کی ڈیوٹی کر لی۔ ایک گھنٹہ کھانے کا وقفہ ہوتا تھا اس میں بچوں کو سکول سے لے کر ہم اکٹھے کھانا کھاتے تھے۔ ڈاکٹر ذکا تو ہمیشہ پرہیزی قسم کا سینڈوچ ہی ہسپتال ساتھ لے جاتے تھے۔

اب ایک نیا کلینک کرنا پڑتا تھا۔ ہفتہ میں ایک روز فارم کے ہیلتھ سینٹر جانا ہوتا تھا اکثر یہ جگہ بیس بائیس میل دور ہوتی تھی۔ نرس ساتھ جاتی تھی۔ ایسی جگہوں پر ہیلتھ سینٹر بنے ہوتے ہیں مستقل ایک ہیلتھ وزیٹر ہوتی ہے مگر ڈاکٹر شہر سے آتے ہیں۔ باری باری سب اپنی ڈیوٹی دیتے ہیں اس لیے ہفتہ میں ایک مرتبہ ہی جانا پڑتا تھا۔ دونوں خواتین جو میرے ساتھ کام کرتی تھیں درمیانی عمر کی سمجھدار سی تھیں۔ اکثر اپنے معاشرہ کی برائیوں کا رونا روتیں اور بتایا کرتی تھیں کہ ان کے بچپن کے زمانہ میں سوسائٹی کتنی پُرسکون ہوتی تھی۔

ایک روز ہم لوگ بے بی کلینک میں چھوٹے بچوں کے چیک اَپ کر رہے تھے ایک کمزور سی پیلی زرد رنگتا ور 13/14 سال عمر کی لڑکی کمزور سا چھ ہفتے کا بچہ پہلے معائنہ کیلئے لائی۔ میرے پاس سٹول پر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا ''اس بے بی کی ماں کو ساتھ ہونا چاہیے۔''

وہ بولی یہ میرا بے بی ہے!

ایسے محسوس ہوا میرے پاؤں تلے زمین کھسک گئی ہے۔ ''تم تو خود بچی ہو سکول نہیں جاتیں''؟

''ہاں جاتی ہوں میری ماں اس کو دیکھتی ہے مگر آج اس کو ضروری کام تھا''۔

وہ نرس بیچاری حیران پریشان کھڑی تھی۔ میں نے دل میں سوچا یہ معاشرہ رہنے کے قابل نہیں اگر ہم ہسپتال سے باہر نہ نکلتے تو کبھی نہ پتہ چلتا ادھر کیا ہو رہا ہے!؟

1975ء کے شروع میں ہی ڈاکٹر ذکاء کو تھوڑے تھوڑے وقفہ بعد تین ہارٹ اٹیک ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے آپس میں مشاورت کی تمام بڑے بڑے ٹیسٹ ہو چکے تھے یہی فیصلہ ہوا کہ دل کا بڑا آپریشن ہونا چاہیے۔ کافی پیچیدہ اور لمبا آپریشن تھا 8/10 دن بعد گھر بھیج دیا۔ پٹی کیلئے نرس گھر آتی رہی چھ ہفتے بعد چھٹی ختم ہوگئی تو ڈیوٹی پر جانا پڑا حالانکہ ابھی کافی کمزوری تھی۔ تقریباً تین ماہ بعد طبیعت بہتر ہوئی۔ ڈاکٹر کا یہ کہنا تھا کہ اب دورہ نہیں پڑنا چاہیے وہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔

ان کی فاروقی صاحب کے ساتھ فون پر تقریباً روزانہ گفتگو رہتی تھی ہمیشہ دین کی باتیں ہوتیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ جو

مسلمان مریض ہیں ان کا روحانی علاج کریں وہ اس معاملہ میں مدد دینے کو تیار تھے۔ وہاں کے ہسپتال میں بلکہ تمام سرکاری دفاتر میں اللہ کا نام لینا منع ہے۔ اس لیے یہ کام انہوں نے ہفتہ اور اتوار کی چھٹی کے دن کرنا ہوتا تھا۔ چند ایک فلسطینی لڑکے جو کہ والدین کے کہنے میں نہ تھے اور کچھ پاکستانی خواتین ناموافق حالات کی وجہ سے ڈیپریشن میں مبتلا تھیں۔ یہ لندن فون کے ذریعہ فاروقی صاحب کو شکایات بتاتے تھے وہ مختلف طریقے چھوٹی سی دعا یا آیت یا کوئی خاص اسماء الحسنٰی بتاتے تھے۔ کافی کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ تقریباً ڈھائی سال یہ سلسلہ جاری رہا۔

ہمارے علاقہ کے قریب ایک بہت بڑا جنرل ہسپتال تھا، لاء ہسپتال کے نام سے، وہاں کافی مسلمان ڈاکٹر بھی کام کرتے تھے۔ ایک دمشق کے ڈاکٹر خالد سرجن بن رہے تھے وہ حافظ قرآن تھے ان کی بیوی نے میڈیکل کی تعلیم مکمل نہ کی تھی ایک تین سالہ بچی 'بیان' نام سے تھی۔ ڈاکٹر بشیر چوہدری اس علاقہ کے فیملی ڈاکٹر تھے ان کے بچے ہمارے بچوں کے ہم عمر تھے اکثر اتوار کو ایک دوسرے کے ہاں وقت گذارتے تھے۔ میں نے سعیدہ چوہدری کے ساتھ مل کر ڈاکٹر خالد کی بیوی منیرہ سے قرآن سیکھنا شروع کر دیا۔

1977ء کے آخری مہینوں میں ڈاکٹر ذکا نے مجھے کہنا شروع کر دیا اپنے کام خود کیا کرو۔ یعنی کہ گاڑی میں پٹرول ڈلوانا اور بینک سے رقم نکلوانا۔ یہ بات مجھے کچھ عجیب سی لگی مگر کہنا مان لیا۔

نومبر کے مہینہ میں دو مرتبہ مجھے حضورؐ پاک کے وصال کا واقعہ سنایا کہ حضرت عمر کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ پھر دسمبر کے شروع میں ایک صبح اپنا خواب سنایا ''والد صاحب بس میں اکیلے بیٹھے ہیں (یہ میڈیکل کالج میں تھے جب وہ فوت ہوئے) میں بس سٹاپ پر کھڑا ہوں بس رُکی ہے اور وہ مجھے ساتھ لے کر چلے گئے۔'' اسی روز مجھے کچھ ہدایات دینے لگے۔ ضروری کاغذات کہاں پڑے ہیں۔ وصیت اختر صاحب کے پاس رکھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ دماغ کچھ قبول نہیں کر رہا۔ بالکل خاموش رہی۔ پانچ دسمبر کی صبح ہی دل میں درد شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر بشیر چوہدری کو بلایا انہوں نے فوراً ایمبولینس منگوائی۔ میں گاڑی میں پیچھے گئی بچوں کو وہ اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ (جاری ہے)

❁❁❁

میری لائبریری سے

نام کتاب ...... جنٹلمین اللہ اللہ
مصنف ...... کرنل اشفاق حسین
ناشر ...... ادبیات۔ ادارہ مطبوعات سلیمانی، اردو بازار، لاہور

فون 04237232788

جی قارئین...... جنٹلمین سیریز پڑھنے والوں کے ہونٹوں پر اس وقت پھلجھڑیاں اور آنکھوں میں ستارے جگمگا رہے ہوں گے اس لیے کہ دونوں کام اس کتاب کے پہلے صفحے سے آخر تک مسلسل ہوتے ہیں۔ اچھا اور عمدہ مزاح جس میں کلبیت یا طنز یہ اسلوب بس آٹے میں نمک کے برابر ہو قاری کو اپنا بہت جلد گرویدہ بنا لیتا ہے اور اگر شستہ مزاح میں ادبیت کے ساتھ بے پناہ قابل رشک معلومات بھی ہوں تو ''گرویدگی'' کے ساتھ سحر بھی طاری ہو جاتا ہے۔ ان سب پر ایک اور حیرانگی کا ٹانکا لگا ہو کہ وہ مزاح، ادب اور معلومات کی دنیا کی سیر ایک ''فوجی'' کروا رہا ہو......سونے پہ سہاگہ شاید اسے کہتے ہیں تو آیئے کتاب کے دیباچے میں داخل ہوتے ہیں۔

''جنٹلمین اللہ اللہ'' ایک طرح سے کمرۂ امتحان میں بیٹھ کر لکھی ہے جیسے کوئی نگران بآواز بلند اعلان کرتا ہے ''آدھا وقت گزر چکا ہے'' ''آدھ گھنٹہ باقی ہے'' ''دس منٹ رہ گئے ہیں''، ''سٹاپ رائٹنگ''۔ قارئین یہ دیباچے کا ہی نہیں کتاب کا بھی آغاز ہے۔ اس کتاب کا جو سعودی عرب کے قیام اور معلوماتی، تفریحی تجربات و مشاہدات سمیت رب کی قربت اور معرفت سموئے ہوئے ہے۔ ایسی کتاب جسے جب بھی شروع کیا خانہ کعبہ پر حاضری والا باب مکمل ہونے سے قبل چہرہ آنسوؤں سے گیلا ہوا...... جذبہ شوق اور زیادہ ہوا...... بے اختیار ہونٹوں سے یہی الفاظ نکلے...... اللہ اللہ......!!

کتاب میں خانہ خدا کی زیارت اور سفر حج کی روداد شامل کی جائے یا نہیں، اس سوال کو لے کر کرنل صاحب ابدال بیلا کی ہمراہی میں مشہور ادیب ممتاز مفتی کے ہاں (ان کی زندگی میں) حاضر ہوئے ان سے پوچھا۔

کوئی کتنا ہی گنہ گار کیوں نہ ہو جب وہ خدا کے گھر جاتا ہے تو اسے عرفان کے چند لمحے میسر آتے ہیں نا؟

''ہاں یہ اعزاز صرف گنہ گاروں کے لیے رکھا گیا ہے۔'' مفتی صاحب نے ہمیں اور پریشان کر دیا۔

''بھئی جنھیں پاکیزگی کا دعویٰ ہو وہ تو خالی ہاتھ لوٹتے ہیں۔'' مفتی صاحب نے وضاحت کی۔

کتاب میں زیادہ تر دبی دبی مسکراہٹیں ہیں ......اس داستان کی روداد سناتے ہوئے جو مصنف کو عربی زبان سیکھنے

کے دوران اور اس سے قبل انٹرویو کی ہے ...... مثلاً انٹرویو لینے والے صاحب کو اصرار تھا کہ تھوڑی بہت عربی آپ کو آنی چاہیے ہم بالکل ہی کورے (عربی سے) آدمی کو منتخب نہیں کرتے۔

''سر تھوڑی بہت عربی تو ہمیں آتی ہے۔''

مثلاً؟ ...... مثلاً ...... الحمدللہ رب العالمین ...... ہم نے سورہ فاتحہ پڑھنی شروع کر دی۔ مالک یوم الدین تک پہنچے تھے کہ بورڈ کے سربراہ نے مسکراتے ہوئے انٹرویو ختم ہونے کا اشارہ کیا اور ہمیں جانے کی اجازت عطا ہوئی۔ پیارے قارئین ...... اس عربی کورس کی تکمیل کے بعد بطور مترجم پاک فوج مصنف کو سعودی عرب جانا پڑا۔ جانے سے قبل اپنی دانست میں عربی اخبارات کا مطالعہ کر کر کے عربی بھی پالش ہو چکی تھی۔ دوران سفر دراز قد فضائی میزبان جو چہرے مہرے سے مصری لگتی تھی آئی تو اپنی عربی دانی کا تجربہ اسی پر کرنا چاہا اور سوال کیا۔

''کس ملک کی ہو تم؟'' اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے انگریزی میں پوچھا۔

''وہاٹ؟'' فقرہ کی نوک پلک سنوار کر دوبارہ پوچھا۔

''من ای بلد انتِ؟''

اپنے تیکھے ابروؤں کو سمیٹتے ہوئے وہ قریب آئی اور انگریزی میں بولی۔ ''معاف کیجیے میں سمجھ نہیں سکی آپ کو کیا چاہیے؟''

مصنف نے اپنی عربی مجتمع کرتے ہوئے حلق سے عین نکال کر پوچھا۔ ''اے خاتون کیا تو بنت مصر ہے؟''

اس پر اس نے پوچھا ''آپ کون سی زبان بول رہے ہیں؟''

مصنف کے بقول اس کا یہ سوال ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا ...... لیکن ہمارے لیے تو ان کی کتاب کا باب ''مالش، بکرا، یلا'' کافی ہے۔ یہ تینوں کیا ہیں؟ اس کا بے حد دلچسپ، معلومات افزا، بلکہ روح افزا جواب تو پورے باب کے ''ہر چپے'' پر بکھرا ہوا ہے تاہم چند فقرے۔

آپ کسی عرب دکاندار سے پوچھیں کہ میاں فلاں چیز ہے؟ تو وہ انکار کے لیے کہے گا ''مافی'' ہم یہی سمجھتے رہے وہ معافی کا خواستگار ہے لیکن جب دکانداروں کے بے نیازی کے رویے پر غور کیا اور دیکھا کہ معافی مانگنے کے لیے جو عاجزی وانکساری ہونی چاہیے وہ سرے سے ناپید ہے تو شک ہوا کہ یہ مافی شافی نہیں کوئی اور ہی چکر ہے؟

مالش اور بکرا اور یلا ...... یہ تو بلبل ہزار داستان ہیں ...... انداز داستانی ہے تحریر میں روانی ہے ...... کانٹ چھانٹ پر دل آمادہ نہیں ہو رہا آغاز و انجام دیکھ لیں بس۔

''یلا پہلے ہم نے یہ لفظ ''یا اللہ'' کا مخفف سمجھا اور سعودی دکانداروں کے حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوئے کہ کوئی چیز موجود نہ ہونے پر ''معافی یا اللہ'' کہہ کر گاہک سے معذرت بھی کرتے ہیں اور اللہ سے بھی عفو و درگذر کے طالب ہیں کہ ان کی کوتاہی کی وجہ سے ایک بندۂ خدا کو دقت کا سامنا کرنا پڑا لیکن بہت جلد ہماری غلط فہمی دور ہو گئی ...... یلا کے پیچھے انسانی فطرت کی پوری کہانی کارفرما ہے......''

قارئین اس پوری کہانی یا اس کے خلاصے کی بجائے

انجام پڑھیے۔

''گرچہ یااللہ کا تلفظ بھی یلا بنتا ہے لیکن اس لفظ کا اب اللہ جیسے نرم، شفیق اور رحیم و کریم نام سے کوئی واسطہ نہیں۔ پانی تو بھاپ کی طرح اڑ نا ہی تھا''یا اللہ'' میں پائے جانے والے توکل اور استقامت کے معانی بھی غائب ہو گئے اور یلا گاہک کے لیے ''تم چلو'' (میں آیا) کے معانی میں استعمال ہونے لگا پھر عربوں کے ہاں اجنبی لوگوں کی بہتات ہوئی تو اس میں خشونت در آئی اور اس میں اب قہر کی جھلک نظر آتی ہے۔قہر بھی خدائے بزرگ و برتر کا نہیں بندوں کا قہر جس سے بچنے کی دعا سکھلائی گئی ہے۔

اللھم انی اعوذبک من قہر الرجال اللہ میں بندوں کے قہر سے تیری پناہ میں آتا ہوں)۔

اگر نرم لہجے میں یلا کہیں تو مطلب ہے،نہیں ہے چلے جاؤ اور درشت لہجے میں کہیں یا بآواز بلند دو دفعہ 'یلا' پکاریں تو اس کا مطلب ہے''دفان ہو جاؤ، جاتے ہو یا......''

پاک فوج کے دستے کے ساتھ بطور مترجم کرنل صاحب کا سعودی عرب کے شہر 'خمیس مشیط' میں قیام اور اس کی داستان دلربا...... بار بار چہرہ پر مسکراہٹ لاتی ہے۔خمیس مشیط کی خوبصورتی کے ساتھ داستان قیام بھی بے پناہ خوبصورت ہے۔چھوٹی چھوٹی بات پر طویل قصے جو قاری کو گرفت میں رکھتے ہیں۔مثلاً ہمارے ہاں حاجی ایسے بھی ہیں جو روٹی پکانے کے لیے توے ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ایسی ہی ایک فیملی کا ذکر ہے جس کے افراد، پھلکوں کے عادی تھی لیکن توا ساتھ لے جانا بھول گئے۔وہاں جا کر پہلی فکر ہوئی کہ توے کا بندوبست کیا جائے۔دو تین پھرتیلے آدمی توے کی خریداری پر معمور کیے گئے اس ریسرچ پراجیکٹ کے سربراہ تھے پاکستان ٹیلی ویژن کے کنٹرولر نیوز عبدالشکور طاہر ...... نیوز طاہر معاف کیجیے شکور طاہر کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں''انھوں نے پہلے تو توے کی عربی معلوم کرنے کی کوشش کی مایوسی ہوئی بازار میں جا کر ہاتھ کے اشارے سے گول چیز خریدنے کی خواہش ظاہر کی جس پر روٹی پکائی جا سکے ان اشاروں کنایوں کا مطلب دکاندار یہ سمجھے کہ روٹی درکار ہے کسی تندور کی راہ دکھلائی اور روٹی کی عربی''خبز'' بتائی۔خبز بنانے کے لیے توے کی تلاش تھی تھک ہار کر برتنوں کی دکان کی راہ لی۔سعودی عرب میں برتنوں کی ہر دکان پر توا نہیں ہوتا خاصی جدوجہد کے بعد ایک دکان پر توا نظر آیا تو خرید لیا گیا۔ چلتے چلتے دکاندار سے ٹوٹی پھوٹی زبان میں پوچھا گیا کہ اسے عربی میں کیا کہتے ہیں؟

جواب ملا''توا''

پیارے قارئین ایک نام ایسا ہے جس کا ذہن میں آتے ہی روح پر سرشاری طاری ہو جاتی ہے اور ایک مقام ایسا ہے کہ دل پہلو سے نکل نکل جاتا ہے۔اس مقام تک پہنچنے کی آرزو کس مسلمان کو نہیں۔مصنف نے اپنی آرزوؤں کی داستان کا ایسا نقشہ پیش کیا ہے کہ لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

سعودیہ پہنچنے اور وہاں قیام کے دوران اس مقام پر حاضری کی کیفیت کا حال

گفتگو کسی سے ہو تیرا دھیان رہتا ہے
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلم کا

نظریں شمال کی جانب لگی رہتیں (خمس مشیط سے خانہ کعبہ شمال کی جانب ہے) خانہ کعبہ تک پہنچنے میں کئی سخت مقام آئے لیکن طلب اور تڑپ سچی تھی۔ بالآخر پہنچ گئے۔ کئی فقرے بڑے کاٹ دار ہیں۔

جدہ ایئر پورٹ پر اترے تو دیکھا یونٹ کے دو افراد ہمارے ارد گرد منڈلا رہے ہیں ایک تو نائیک جاوید تھا دوسرے کا نام ذہن سے نکل گیا۔ ہم نے ایک ٹیکسی لی اور مکے روانہ ہو گئے۔ ڈرائیور پاکستانی تھا ابتدائی علیک سلیک کے بعد اس نے گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن ہم تلبیہ پڑھنے پر زور دیتے رہے ہوتا یوں تھا کہ ہم تھوڑی دیر تلبیہ پڑھتے، ذرا دم لینے کو رکتے تو پھر گفتگو شروع کر دیتا۔

''کل کتنی فوج آئی ہے ہماری؟''

''انھیں ذرا دبا کر رکھنا۔''

''آپ کہاں کے رہنے والے ہیں''

اس کی بات لمبی ہوتی تو ہم پھر تلبیہ پڑھنے لگتے منزل سے رابطہ ٹوٹنے نہ پائے۔

''پہلی دفعہ آئے ہو؟'' ڈرائیور نے تنگ کر پوچھا۔

''ہاں آئے تو پہلی دفعہ ہیں'' اسے جواب تو ہم نے دے دیا لیکن پھر کانپ گئے جو دوسری، تیسری یا چوتھی یا دسویں مرتبہ آتے ہیں کیا ان میں وہ ذوق وشوق باقی نہیں رہتا؟ دید کی تمنا، قربتوں کی خواہش، وصال کی چاہت، اپنائیت کے جذبے کم ہو جاتے ہیں، سرد پڑ جاتے ہیں؟؟؟ یہ بے کار لاسلکی پیغاموں کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے اس سے تو کہیں بہتر ہے انسان......

اے اللہ میں حاضر ہوں، ہم نے اپنے خیالات کا سلسلہ جھٹک کر تلبیہ شروع کر دی۔

قارئین! ...... خانہ کعبہ میں پہلی حاضری کا منظر...... اس پر میرے بس میں ایک ہی تبصرہ ہے۔

ہے پڑھنے کی چیز اسے بار بار پڑھ کے تو دیکھ۔

خانہ کعبہ دیکھنے کے بعد آنکھیں میچ کر آنسو گرائے منظر واضح ہو گیا۔ خوبصورتی اور نکھر گئی حسن اور نمایاں ہو گیا ......! سفید احرام اور عباؤں میں ملبوس پھیرے لیتے ہوئے انسانوں کا ہجوم، اجالے رقص کناں تھے، نکھار محو گردش، حسن مجسم مرکوز، عشق بے تاب، سجدہ ریز، شوق فراواں، روشنی چار سو اندر باہر...... اس طواف میں شامل ہو گئے جو نور کے ہالے کی مانند ہر وقت گردش میں رہتا ہے جانے اس طواف میں کیا مصلحت ہے۔ اللہ نے یہ کائنات تخلیق فرمائی اس میں طواف کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ ہر ذرہ اپنے مرکز کے گرد گھوم رہا ہے زمین خود اپنے محور پر بھی اور سورج کے گرد بھی گھوم رہی ہے۔ چاند زمین کے طواف میں مصروف ہے ہمارے شمسی نظام کے تمام سیارے سورج کے گرد گھوم رہے ہیں اور سورج ہے کہ وہ بھی اپنے مدار میں کسی سمت رواں دواں ہے۔ کون جانے وہ بھی کسی مرکز کے طواف میں مصروف ہو لیکن اس کا مدار اس کا راستہ اتنا طویل ہو کہ آج کے سائنسدان کو مدار نظر نہ آتا ہو جیسے دیکھنے میں تو یہ زمین چپٹی نظر آتی ہے لیکن ہے گول ......سورج تو اس وقت بھی حرکت میں تھا جب اس صدی کے نصف تک سائنسدان اسے ساکن مانتے تھے۔ قرآن اسے چودہ صدیوں سے

حرکت میں دیکھ رہا ہے۔والشمس تجری مستقرلها ذلك نظر آئے گی۔

تقدیر العزیز العلیم

قارئین جذبوں سے بھرپور طواف کے ذکر سے بات نظامِ شمسی کی حیرت انگیز معلومات پر ختم ہوتی ہے۔

اس پوری روئے زمین پر لوگوں کو سال میں ایک بار سمٹ کر آنا تھا وہ جگہ اس نظام میں یقیناً کوئی اہمیت رکھتی ہو گی کون جانے پوری کائنات جواب پھیل رہی ہے مسلسل بن رہی ہے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے اس کا مرکزی مقام یہی بیت اللہ ہو۔ایک اور پہلو قابل غور ہے۔

اللہ نے جو یہ کائنات تخلیق فرمائی اس میں ایک زبردست تناسب اور توازن پایا جاتا ہے۔ زمین پر انسانی زندگی اسی لیے ممکن ہے کہ اس کا سورج سے فاصلہ اس کے اردگرد پھیلی ہوئی گیسیں، اس کی محوری اور سالانہ گردش غرض سبھی عوامل انسانی زندگی میں تعاون کرتے ہیں۔ ہمارے نظامِ شمسی کے مختلف سیارے ایک دوسرے سے خاص فاصلوں پر واقع ہیں ان فاصلوں میں انسانی عقل کو حیران کرنے والی، چونکا دینے والی ایک خاص نسبت ہے اس نسبت کا انتہائی سادہ مگر حیران کن فارمولا ہے جسے سمجھنے کے لیے آپ ۳، ۶، ۱۲، ۲۴ کے ہندسے لکھیں یعنی ہر نیا ہندسہ پہلے سے دوگنا ہو۔ دوسری سطر میں تمام ہندسوں میں چار جمع کریں تیسری سطر میں انھیں دس سے تقسیم کر دیں اب فلکیات کی کوئی سی کتاب اٹھا کر مختلف سیاروں کا سورج سے فاصلہ معلوم کریں اور زمین اور سورج کے درمیانی فاصلے کو اکائی تصور کرتے ہوئے دوسرے سیاروں سے موازنہ کریں تو یہی

حج کی تمام ادائیں ایک چھوٹے سے کنبہ کی کہانی کے گرد گھومتی ہیں چھوٹا سا کنبہ اللہ کے رنگ میں رنگا ہوا، سراپا اطاعت، وفا شعار، تسلیم ورضا کے پیکر......اور اس گھرانے کی صفات کے لیے قلم نے اپنی سی کوشش کی اور کامیاب ٹھہرے۔

خانہ کعبہ میں دعائیں مانگنے کا انداز خالصتاً ''فوجیانہ'' ہے ......کہیں کہیں سے اشفاق احمد کا تدبر اور ممتاز مفتی کی روحانیت بھی جھلکتی نظر آتی ہے خود پڑھیں تو گواہی دیں گے۔ اور یہ واقعہ حافظ ادریس نے سنایا کہ لاہور کا ایک سر پھرا باب ملتزم سے لپٹ لپٹ کر دعا کر رہا تھا ''اللہ میاں ہے تو تیرا گھر کچھ کہہ تو نہیں سکتے پر تو جانتا ہے کہ لاہور، لاہور ہے بس واپسی کی ٹکٹ کا بندوبست کر دے ...... خدا جانے بیچارہ کب سے واپسی کی ٹکٹ کے لیے دھکے کھا رہا تھا...... ایک اور بدو کا قصہ سناتے ہیں کہ خانہ کعبہ سے لپٹا رو رو کر پکار رہا تھا۔ یا اللہ گنا، یا اللہ گنا۔

حافظ صاحب بیچارے کافی دیر ان حیران ہوتے رہے کہ خانہ کعبہ میں محض گنا مانگنے آیا ہے پھر پتہ چلا کہ مصری لوگ مقامی زبان میں جیم کو گاف بولتے ہیں اور جمال عبدالناصر کو گمال عبدالناصر کہتے تھے...... وہ تو اللہ سے جنت طلب کر رہا جو اس کی زبان میں گنا ہی تھی۔

حج کا سفرنامہ اپنے اندر بہت سی دنیائیں آباد رکھتا ہے ......کئی روپ سامنے آتے ہیں...... بندے کا بندے سے تعلق...... اچھا اور برا دونوں پہلو موجود ہیں ...... اللہ کا

بندے سے اور بندے کا اللہ سے تعلق ہی قابل رشک ہے۔

لیفٹیننٹ کرنل منصور رشید کے کیمپ میں حسب توفیق لوگ عبادت میں مصروف تھے کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی قرآن ، کوئی تسبیح اور کوئی مراقبے میں مصروف ہے ان کے سامنے والے خیمہ میں ایک بڑھیا تھی جو بےعلم دکھائی پڑتی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کبھی ایک سمت تکتی، کبھی دوسری سمت۔ آخر گھبرا کر اس نے اپنے میاں کو جھنجھوڑا جو بےسدھ سویا پڑا تھا۔

ارے اٹھ دیکھ وقت نکلا جاتا ہے۔

بڑے میاں ہڑ بڑا کر اٹھے ''کیا بات ہے؟'' بڑھیا پھر بولی۔

''دیکھ پوری دنیا عبادت میں مصروف ہے ہر کوئی کچھ نہ کچھ پڑھ رہا ہے،ہمیں تو کچھ پڑھنا بھی نہیں آتا ہمارا کیا بنے گا۔''

بڑھیا کی آواز میں اتنا سوز، درد، اتنی فکر تھی کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ بوڑھے نے اطمینان سے جواب دیا۔

''فکر کیوں کرے ہے جس نے بلایا ہے وہ ہمارا بھی مالک ہے۔ خالی ہاتھ تھوڑا ہی بھیج دے گا......''اس کا ایمان، اس کا یقین سننے والوں کو سرشار کر گیا۔

قارئین یہ سرشاری کی حدت اس وقت کمال تک نہیں پہنچتی جب تک مصنف مدینہ نہیں پہنچ جاتے...... مدینہ میں قیام کا ذکر بھی رنگا رنگ حکایتوں سے لبریز ہے۔

کتاب میں ایک باب نجران کی تاریخ کا ہے...... سچ پوچھیں تو کتاب کا یہ حصہ پڑھ کر اپنے اوپر شرمساری محسوس ہوئی کہ ''ہمیں تو کچھ بھی علم نہیں......آیئے آپ کے علم میں کرنل صاحب اضافہ فرماتے ہیں لیکن یہ نجران کے ماضی قریب اور ظہور اسلام کی دلچسپ تحریر آپ کو ان کی کتاب میں ملے گا کالم کے صفحات اس کی طوالت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

فسانہ عاد و سبا میں مصنف کا قلم مورخ کا قلم بن جاتا ہے ......سنسناہٹ پیدا کرنے والی تفصیلات۔ شداد کا ذکر آئے گا تو ساتھ اس کی جنت ارضی کا بھی ضرور آئے گا جنت ارضی کی تفصیلات کے بعد شداد کے داخلہ کا منظر۔

''عین درمیان میں نہر کے کنارے شداد نے اپنے لیے محل تعمیر کروایا جس کے دروازے سونے کے بنے تھے اور ان پر یاقوت جڑے تھے۔ جب یہ جنت ارضی بن کر تیار ہو گئی تو سجے سجائے گھوڑے پر سوار ہو کر اس جنت کا افتتاح فرمانے آیا تو عین دروازے پر گھوڑے سے اترتے ہوئے اسی حالت میں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی کہ اس کے قدم زمین پر نہ لگنے پائے تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عزرائیل سے پوچھا گیا تمھیں کبھی کسی کی جان نکالتے ہوئے ترس آیا؟ بتایا کہ ہاں ایک دفعہ مجھے ایک ایسی عورت کی روح قبض کرنے کا حکم ہوا جو سمندر میں ایک جہاز کی تباہی کے بعد لکڑی کے تختے سے چمٹی تیر رہی تھی ایک شیر خوار بچہ اس کا دودھ پی رہا تھا عورت کی جان نکالتے ہوئے مجھے بچے پر بڑا ترس آیا لیکن مشیت ایزدی میں ہمارے احساسات کو کیا دخل......

اور کبھی کسی کی جان نکال کر خوشی ہوئی! سوال کیا گیا۔

ہاں شداد کو اللہ نے بڑے وسائل سے نوازا تھا اس نے شکر کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے سرکشی اختیار کی اللہ کے مقابلہ میں دنیا میں جنت تعمیر کی اس کی جان نکال کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اس جنت میں نہ رہ سکا۔''

''یہ وہی بچہ تھا جس پر تمھیں کبھی ترس آیا تھا۔''

اللہ کی مصلحتیں کون جان سکتا ہے۔

اس کے بعد نہ وہ جنت باقی رہی جو شداد نے تعمیر کرائی تھی نہ وہ باغات کہ جن کی خوشبو مشام جان کو معطر کرتی تھی۔ آج قوم عاد کے اصلی وطن احقاف کی موجودہ حالت کو دیکھ کو کوئی شخص یہ گمان بھی نہیں کرسکتا کہ ایک شاندار تمدن رکھنے والی قوم یہاں آباد ہوگی۔ آج اس کی حالت یہ ہے کہ لق و دق ریگستان ہے جس کے اندرونی حصوں میں جانے کی کوئی ہمت نہیں کرسکتا۔۱۸۴۳ء میں بوبریا کا ایک فوجی اس کے جنوبی کنارے پر پہنچ گیا تھا وہ کہتا ہے کہ حضر موت کی شمالی سطح مرتفع پر سے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ صحرا ایک ہزار فٹ نشیب میں نظر آتا ہے اس میں جگہ جگہ ایسے سفید قطعے ہیں جن میں کوئی چیز گر جائے تو وہ ریت میں غرق ہوتی چلی جاتی ہے اور بالکل بوسیدہ ہو جاتی ہے یہاں کی ریت بالکل سفوف کی طرح ہے میں نے دور سے اس میں ایک شاقول پھینکا جو ۲۵ منٹ کے اندر اس میں غرق ہوگیا اور اس رسی کا سرا بھی گل گیا جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا۔

تھوڑا سا حضرت لقمان کا ذکر......قوم عاد میں شداد جیسے فرعون ہی نہیں بلکہ نیک اور صالح لوگ بھی تھے یہ الگ بات ہے آٹے میں نمک کے برابر تھے۔انھیں میں ایک شخص لقمان بھی تھا لوگ انھیں حکیم لقمان کہتے ہیں۔ کچھ روایات میں انھیں خضر علیہ السلام کے بعد طویل عمر والا قرار دیا گیا ہے۔مورخین کا کہنا ہے کہ ان کی عمر سات نسلوں تک محیط تھی۔قوم سبا کے انجینئروں نے سد مآرب کے نام سے جو بند تعمیر کیا اس میں موسموں کے اختلاف کے پیش نظر پانی کے اوپر نیچے تین درجے قائم کر دیے گئے تھے۔ ہر درجے میں تیس تیس کھڑکیاں تھیں جن کے ذریعہ پانی کو کھولا اور بند کیا جاتا تھا ان کے نیچے بہت بڑا حوض بنا ہوا تھا جس کے دائیں بائیں دو بڑے آہنی پھاٹک تھے جن کے ذریعہ حوض کا پانی تقسیم ہو کر مآرب کے دونوں جانب نہروں گولوں کے ذریعہ حسب ضرورت کام میں آتا۔اس عظیم الشان بند کی وجہ سے تقریباً ۳۰۰ مربع میل تک دائیں اور بائیں چھواروں کے نخلستان، قہووں اور پھلوں کے حسین وجمیل باغ، خوشبوؤں کے کھیت، دار چینی، عود اور مختلف قسم کے خوشبودار درختوں کے گنجان باغ اس کثرت سے ہوگئے کہ تمام علاقہ چمنستان اور فردوس بنا ہوا تھا......قوم سبا کا ذکر ہوا اور ملکہ سبا کا نہ ہو ...... یہ کیسے ممکن ہے؟ ملکہ سبا کی تفصیلات بھی ہوشربا ہیں۔ سفرناموں سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ بات مزید دلچسپی کا باعث ہوگی کہ اس کتاب میں ''ربع الخالی'' کا سفرنامہ بھی شامل ہے جس کے بارے میں اب تک بہت کم لکھا گیا ہے۔ربع الخالی دنیا کے بڑے صحراؤں میں سے ہے لمبائی بارہ سو کلومیٹر، چوڑائی ساڑھے چھ سو کلومیٹر ہے کل رقبہ چار لاکھ مربع کلومیٹر ہے جو جزیرہ نمائے عرب کا چوتھا حصہ ہے اسی لیے اس کا نام ''ربع الخالی'' رکھا گیا ہے۔ اس کی

ریت نرم اور سفوف کی مانند ہے......مزید معلومات کے لیے کتاب کے صفحہ نمبر ایک سو پچاس سے ایک سو ساٹھ حاضر ہیں۔

افلاج لیلیٰ...... جی ہاں لیلیٰ کا گاؤں ...... ڈھونڈ نے کے لیے مصنف نے بہت تگ و دو کی (پاپڑ بیلنے کا محاورہ ایک فوجی کے شان شایان نہیں) افلاج لیلیٰ میں پہنچ کر لیلیٰ کا پتہ چلانا پہلے سے بھی مشکل کام نکلا۔ہم نے کئی لوگوں سے لیلیٰ کے بارے میں پوچھا کچھ لوگ ناراض بھی ہوئے کہ سعودی معاشرہ میں کسی خاتون کے حوالے سے کوئی گھر تلاش کرنا نہ صرف معیوب ہے بلکہ لوگوں کے غیض وغضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے چنانچہ کبھی ہم لیلیٰ کی بات کرتے کبھی مجنوں کی نوجوان شرارت بھری مسکراہٹوں سے پوچھتے ''کون سی لیلیٰ؟''لیلیٰ کا تعارف کراتے جب لوگوں کو معلوم ہوتا کہ لیلیٰ حال کی کوئی دوشیزہ نہیں بلکہ ہزار بارہ سو سال پہلے انتقال فرمانے والی کوئی مرحومہ خاتون ہیں تو اور حیران ہوئے کہ اب اس کی تلاش سے فائدہ؟ کئی لوگوں نے ہمدری کا اظہار کیا۔

''کیا کوئی پاکستانی تھی؟''

''اس کی میت لینے آئے ہو'' ہم حیران پریشان کھڑے تھے کہ کتابوں کی ایک دکان پر نظر پڑی سوچا کہ پڑھے لکھے لوگ ہوں گے شاید کوئی لیلیٰ کا واقف مل جائے۔ واقعی ایک طالب علم مل گیا عبداللہ مبارک اسم بامسمیٰ ریاض یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔تاریخ پڑھتا تھا اور جغرافیہ بھی جانتا تھا......اس نے بتایا کہ لیلیٰ کے نام پر کسی خاص گاؤں یا قصبے کے کوئی آثار باقی نہیں شاید خیموں کی بستی میں رہتی ہو جہاں سے پانی لینے چشموں پر جاتی تھی اس لیے اس جگہ کا نام افلاج لیلیٰ پڑ گیا......البتہ قیس کے گاؤں کے آثار باقی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اب ٹھنڈی سانسیں اس بات پر بھر رہی ہوں کہ سعودی عرب میں حدود کے قیام کے لیے شریعت کورٹ کیسے سزائیں دیتی ہے...... یہ بتائے بغیر گزرنے کو دل نہیں چاہتا اور بتانے کی راہ میں تنگی دامان صفحات حائل ہیں......مختصراً یہ کہ روڈ ایکسیڈنٹ میں مرنے والی ایک خاتون کا مقدمہ جو پاکستان میں درج بھی نہ ہوتا، وہاں چھوٹی بڑی عدالتوں سے ہر کو فیصلے تک پہنچا تو کیسے؟

چونکہ ۸۰ فیصد غلطی ڈرائیور کی اور ۲۰ فیصد غلطی خاتون کی تھی اس لیے ڈرائیور چالیس ہزار ریال مقتول کے وارث کو ادا کرے اور دو ماہ کے روزے رکھے ...... یہ حکم سورۃ النساء کی آیت ۹۲ کے مطابق تھا۔''جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے اور اس کا کفارہ مومن غلام کی آزادی اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرنا ہے ...... جو غلام نہ پائے وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے۔'' نوجوان ڈرائیور چیک بک ساتھ لایا تھا اس نے چالیس ہزار ریال کا چیک وہیں عدالت میں وارثوں کے حوالے کیا۔عدالت سے باہر آئے تو نوجوان کی آنکھوں میں آنسو تھے ہم سمجھے شاید خطیر رقم کی ادائیگی پر افسوس ہے بات چیت ہوئی تو وہ بولا۔''مجھے رقم کی ادائیگی کا کوئی دکھ نہیں یہ خون بہا تو ضروری تھا مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہوتی رمضان کے روزے بمشکل پورے

کرتا ہوں قاضی صاحب نے مزید دو ماہ کے روزے عاید کر دیے......!!''

یہ ساری کارروائی چار ماہ سے کم کے قلیل عرصہ میں مکمل ہوئی۔جس میں پندرہ دنوں کی حج کی تعطیلات اور ایک ماہ کا وہ عرصہ بھی شامل ہے جس میں مقدمے کا مدعی اپنی والدہ کی میت لے کر پاکستان گیا ہوا تھا......دو ماہ کی مدت اس لیے لگی کہ اس مقدمے میں دو ملکوں کے باشندے ملوث تھے۔کیس سعودی عرب کی وزارت خارجہ اور پاکستان کے سفارت خانے کو بھیجنا پڑا۔ضروری کاغذات کی تکمیل میں وقت لگا اور قاضی صاحب نے چار دن میں فیصلہ سنا دیا۔

یہ تو سرکاری سطح کے مقدمات تھے عوامی سطح کے مقدمات کے فیصلے کس طرح ہوتے ہیں؟

ایک دفعہ سڑک کے کنارے جھگڑا دیکھا۔فریقین بپھرے،خون کے پیاسے دکھائی دے رہے تھے۔ہم گاڑی روک کر صحافیانہ حس کے ہاتھوں مجبور ہو کر نیچے اترے ایک سعودی کف اڑاتے دوسرے کا ہاتھ روک رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔

صل علی النبی،صل علی النبی

وہ ایک لمحہ کے لیے خاموش ہوتا ہے اور قہر آلود نظروں سے فریق ثانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہتا ہے''تم اس......کو کیوں نہیں سمجھاتے اس نے......''

دوسرا شخص پھر صلی علی النبی کہتا ہے تو وہ بھی اللھم صلی علی محمد وعلیٰ آل محمد......اور جب نبیؐ کا ذکر اس کی زبان پر آ گیا تو پہلے کا غصہ بھی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اس نے اپنا عترہ سر پر رکھا،عقال لپیٹنے لگا۔اس دوران کچھ لوگ فریق ثانی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔دونوں نے درود پڑھا......اور مقابلے سے دستبرداری ہوگئی......عملی زندگی میں درود کا یہ احترام اور نبیؐ کا نام لبوں پر آتے ہی جذبات پر قابو پانے کا ایسا مظاہرہ ہم نے زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا اور پھر سعودی عرب میں قیام کے دوران بار بار مشاہدہ کیا اور حیران ہوتے رہے۔سعودی عرب میں نبی پاکؐ کے نام پر نہ جلسے جلوس ہوتے ہیں نہ میلاد کی محفلیں برپا ہوتی ہیں نہ کھڑے ہو کر درود و سلام بھیجنے کا اہتمام ہوتا ہے اس کے باوجود عام لوگ نہ صرف حضورؐ کی تعلیمات کو خوب سمجھتے ہیں بلکہ یہ تعلیمات ان کی زندگی میں رچ بس گئی ہیں۔کسی بات کو یا جھگڑے کے لیے بس درود کافی ہے۔ان کے بتائے طریقے سے ہٹ کر کوئی طریقہ اور ہے ہی نہیں۔

ایک دفعہ مکے کی طرف آ رہے تھے مغرب کا وقت ہوا دیکھا کہ ایک بدو گاڑی ایک طرف کھڑا کر کے نماز کی تیاری میں مصروف ہے۔ہم بھی گاڑی ایک طرف کر کے اس کے ساتھ جا ملے......اس نے ہمیں امامت کی پیشکش کی لیکن ہم نے تکبیر پڑھتے ہوئے اسے امام ٹھہرایا۔مغرب کے تین فرض پڑھ کر اس نے سلام پھیرا پھر کھڑا ہو گیا اور بولا عشا کے لیے تکبیر پڑھو۔

''عشاء کے لیے؟''ہم نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں عشاء کی نماز بھی ابھی پڑھ لیتے ہیں۔''اس نے کہا۔

''لیکن یہ تو مغرب کا وقت ہے اور نماز کی شرط وقت پر

ادا کرنا ہے......''

وہ بولا''بھائی اللہ کے رسولؐ کا طریقہ سفر میں یہی تھا کہ جمع بین الصلاۃ کرلیا کرتے تھے......''

''لیکن اگر......''

''ارے یہ اگر مگر کیا کر رہے ہو؟ میں نے تمھیں اللہ رسولؐ کا طریقہ بتا دیا ہے دل مانتا ہے تو تکبیر پڑھو ورنہ وہ رہی تمھاری گاڑی ......اور وہ رہا مکے کا راستہ ...... میں تو لگا ہوں عشاء کی نماز پڑھنے......''

قارئین! صرف سبحان اللہ نہیں واقعی یہ کتاب ''اللہ اللہ'' کہلانے کی حقدار ہے۔ رائے اپنے پاس مت محفوظ رکھیے ......اللہ حافظ

۞۞۞

شمیم فاطمہ

تیاری

موقع آتا ہے اور گزر جاتا ہے......جانے ہم کن جھمیلوں میں پڑے رہتے ہیں!

ہم سے جب بھی کوئی پوچھتا ہے ''رمضان کی تیاری ہو گئی ؟'' ہم جھٹ جواب دیتے ہیں کہ ''جی ہاں ہو گئی ، دال، بیسن، میدہ چاٹ مصالحہ، روح افزا کی بوتل، چنے، املی وغیرہ تو منگوا لیں ، باقی چیزیں روز کے روز آ جایا کریں گی ۔'' یہ کہتے ہوئے ہم جی ہی جی میں خود کو اپنے سگھڑاپے اور ہوشیاری کی داد بھی دے رہے ہوتے ہیں۔

جانے کیوں ہماری سوچ کا دھارا کھانے اور پہننے کے کنارے کنارے ہی بہتا ہے! نہ کسی اور بحرِ بیکراں میں ڈوبتا ہے نہ کسی اور موج سے ٹکراتا ہے۔ شبِ برات ہو، رمضان ہو، عید ہو، بقرعید ہو، محرم ہو، شادی ہو، غمی ہو، عقیقہ ہو، منگنی ہو ، سالگرہ ہو، آمین ہو، کوئی خاص دن، کوئی خاص موقع ہو...... ہمیں بس ایک ہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ ''کیا بنائیں!......کیا پکائیں!''

کوئی بے تکلف دوست یا بہنیں ہی گھر آ جائیں تو کھانے میں اس قدر تکلف اور لوازمات میں اس قدر اضافہ کر دیتے ہیں کہ وہ جو ملاقات کی ایک لذت ہوتی ہے، مل بیٹھ کر کسی یاد کو دہرانے کا مزہ ہوتا ہے، کچھ پوچھنے، کچھ بتانے کا ارادہ ہوتا ہے وہ سب چھیلنے، کاٹنے، بیلنے، پکانے، ٹیبل پر سجانے، ڈشیں دھونے اور برتنوں کی صفائی میں نکل جاتا ہے (تھکن سے جسم نڈھال اور وجود اَدھ موا ہو جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے مہمان جلدی سے جائیں اور ہم بستر پکڑیں) گھر میں کوئی چھوٹی سی تقریب منعقد ہونے والی ہو جس میں صرف بھائی ، بہنیں ہی شریک ہونے والی ہوں ......سب سے پہلے مسئلہ اٹھتا ہے کہ ''کیا پہنیں!'' (اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جو کپڑے الماری میں قطار اندر قطار لٹکے ہوئے ہیں ان میں سے کس کا انتخاب کریں؟ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا کیا بنائیں جو ''اِن'' ہے) چنانچہ اس کام کے لئے ہم کچھ فیشن میگزین اور ویب سائٹس سرچ کرتے ہیں اور بہ ہزار دقت کوئی ایسا ڈیزائن منتخب کرتے ہیں جسے زیب تن کر کے ہم کترینہ اور کرینہ سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہ لگیں، جدھر سے گزریں ، لوگوں کی نگاہیں دور تک ہمارا تعاقب کریں اور ہمارے قدم زمین کے بجائے براہِ راست آسمان پر پڑیں۔ پھر اس کے بعد ہمارا رُخ شاپنگ مال کی طرف ہوتا ہے ، جہاں کپڑے کی خریداری کے بعد میچنگ بیل یوں ڈھونڈنی پڑتی ہے جیسے لوگ ہم پلہ رشتہ ڈھونڈتے ہیں۔ اس دریا کے پار اترتے ہیں تو اک اور دریا کا سامنا کرنا پڑتا ہے یعنی ''ٹیلرنگ شاپ'' کا طواف کرنا پڑتا ہے۔ ٹیلر کو اچھی طرح ڈیزائن ذہن نشین کروانا پڑتا ہے ۔ پھر دوپٹہ ڈائی کرنے کے لئے دیتے ہوئے گھر واپسی ہوتی ہے۔ چلئے ایک مسئلہ تو حل ہوا......اب

شروع ہوا ''مسئلہ طعام'' کچھ دنوں تک ادھر اُدھر چینلز گھما گھما کر ''نئی ڈش'' تلاشتے ہیں، ''ڈالڈا'' اور ''دسترخوان'' کی ورق گردانی کرتے ہیں، اپنی ڈائری نکال کر سر کھپاتے ہیں، پھر کہیں جا کر کھانے کا مینیو تیار کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں (جسے اکثر اوقات ہمارا بجٹ فیل کر دیتا ہے...... بچارا بجٹ تو ہر سمسٹر میں فیل ہو ہی جاتا ہے)

تقریب اگر بڑے پیمانے پر ہو تو، تو کیا پوچھنا! خصوصاً شادی بیاہ کے موقع پر ''پہناووں'' اور ''کھانوں'' پر جس قدر غیر معمولی توجہ دی جا سکتی ہے وہ ہم دیتے ہیں، اس قدر اسراف کرتے ہیں کہ اخراجات بجٹ سے باہر اور پاؤں چادر سے باہر...... مگر جب تک یہ طوفان گزر نہیں جاتا، کچھ سجھائی نہیں دیتا، خرچہ ناگزیر لگتا ہے۔ (بہت سی غیر ضروری رسمیں مثلاً نیگ کا لین دین، گیٹ چھکائی، مہندی اور سرمہ لگائی، جوتا چرائی، پہناؤنی، چڑھاوے...... انٹ شنٹ ...... یہ...... وہ! ضروری جان کر اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر کرنا بھی ہماری ہی روایت اور ہماری ہی ثقافت ہے!) خیر...... ہمیں تو یقین ہے کہ ''خوش لباسی'' اور خوش خوراکی'' بھی ہماری ہی روایت ہے۔ ادھر آپ نے خوشی کی کوئی خبر زبان سے نکالی اُدھر سننے والے نے مٹھائی کا مطالبہ کیا'' بھئی پھر تو مٹھائی کھلاؤ!'' چنانچہ سوئم، چالیسویں اور محرم کی مجالس میں بھی ہم کپڑوں اور کھانوں کو خصوصی ترجیح دیتے ہیں۔ ہمارا کہنا ہے کہ۔

آئے کچھ روسٹ کچھ کباب آئے
اس کے بعد آئے جو عذاب آئے

سو ہماری تیاری ایسی ہی ہوتی ہے یعنی اپنی سجاوٹ، گھر کی سجاوٹ اور دسترخوان کی سجاوٹ سے ہم باہر ہی نہیں نکلتے۔ مجال ہے جو کبھی ہم نے روزے تزکیہ نفس کے ارادے سے رکھے ہوں (نفس بچارا پاک ہونا بھی چاہے تو ہم اسے موقع فراہم نہیں کرتے) ادھر رمضان کے چاند نکلنے کا شور ہوا اُدھر...... (سب چاند دیکھنے چھت کی طرف نہیں دوڑے، نہ چاند دیکھ کر دعا مانگی) چاند نکلنے کی اطلاع ایس ایم ایس کے ذریعے موصول ہونا شروع ہو گئی اور دھڑا دھڑ مبارک باد کے پیغامات آنے لگے (نہ چاند دیکھنے کی تڑپ! نہ چھت پہ جانے کا کھڑاگ!) گھنٹہ، پون گھنٹہ تو عزیزوں دوستوں کو جوابی مبارکباد send کرنے میں گزر گئے، اس کے بعد دفعتاً دماغ میں ایک ہلچل سی مچنا شروع ہو گئی کہ ''آج سحری میں کیا بنایا جائے؟'' اور اس فکر مندی اور مسئلہ عظیم کے حل کے لئے سب سر جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ملت کے مقدر کا ہر ستارہ اس کارِ خیر میں خشوع و خضوع سے حصہ لیتا ہے۔

سحری کے اوقات میں جو ہنگامی صورتِ حال ہوتی ہے وہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ بچوں کے لئے پراٹھے بنانے ہیں، اماں کے لئے پھینی بھگونی ہے، ابا کو سویوں کا زردہ پسند ہے، میاں جی کو چپاتی کے ساتھ اسٹو چاہیے، چائے تو سب کے لئے ہی بنانی ہے، بچوں کو دودھ میں اوولٹین بھی ڈال کر دینا ہے، میز پر بلڈ پریشر کی دوا نکال کر رکھی ہے، دو نوالے منہ میں ڈالنے اور دو گھونٹ حلق میں انڈیلنے تک فجر کی اذان ہو جاتی ہے اور نیت کر لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

اس پہلی سحری کے ساتھ ہم باقاعدہ رمضان سے جڑ

جاتے ہیں ۔صبح سے دوپہر تک وہی روزانہ کے معمولات ......یعنی صفائی ، دھلائی ، جھاڑ پونچھ ،فون شون ......(ایک رمضان ہی میں تو فرصت ملتی ہے ورنہ تو سارا سال گھر کے کام دھندوں میں ہی لگے رہو) اور ہیلو ہائے کرتے کراتے ظہر کی اذان ہو جاتی ہے ۔اب نماز تو پڑھنی ہی ہے رمضان کے احترام میں ۔جز دان میں سے قرآنِ پاک بھی نکال لیتے ہیں مگر نیند کے جھونکے ایسا بے حال کرتے ہیں کہ تکیے پر سے سپارہ یا قرآن سرکا کر ایک ذرا سا اپنا سر پُرعزائم رکھ دیتے ہیں اور ایسے بے خبر ہو جاتے ہیں جیسے پُل بنا کر لوگ ہو جایا کرتے ہیں ۔ پھر دفعتاً آنکھ کھلتی ہے ، ہڑ بڑا کر اٹھتے ہیں گھڑی دیکھتے ہیں ۔اُف اللہ! چیخ جیسی کوئی چیز ہمارے حلق سے برآمد ہوتی ہے اور ہم دوڑ لگا دیتے ہیں کچن کی طرف (اُف ! کتنے کام پڑے ہیں !) پھر جو افطاری کے لوازمات میں الجھتے ہیں تو خود کو اس وقت تک دستیاب نہیں ہوتے جب تک افطاری دسترخوان پر چن نہ دی گئی ہو اور مؤذن صاحب نے اذان نہ دے دی ہو۔

ماہِ رمضان میں ''افطار پارٹی'' بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی اسکول میں ماہانہ فیس کی ادائیگی ۔آپا نے کی تھی ، بھابھی نے کی تھی ، چچی جان نے کی تھی ، ماموں جان نے کی تھی ......تو جوابی دعوتِ افطار کرنا ہمارا فرض بنتا ہے کہ نہیں ! اب کچھ دن تو ہم اس فکر میں گھلتے ہیں کہ سب کی دعوت ایک ساتھ کریں یا الگ الگ !ڈرائنگ روم اور ٹی وی لاؤنج میں بیک وقت اتنے افراد سما سکتے ہیں کہ نہیں ...... اتنے لوگ آئیں گے گھر کے در و دیوار کی صفائی بھی کرنی ہے ، چادریں اور کشن بھی دھونے ہیں ، گلاس کا ایک سیٹ اور لے آئے ہیں ...... دسترخوان بھی نیا خرید لیتے ہیں (اس کے لئے بازار کا چکر بھی ضروری ہو جاتا ہے) جس دن دعوت ہو ہمیں سانس لینے کی بھی فرصت نہیں ملتی (نماز اور تلاوت کی کیسے مل سکتی ہے !) پہلے افطاری ، پھر کھانا ...... پہلے چننا ، پھر اٹھانا ، پھر ڈش واشنگ (جی چاہتا ہے کوئی ہمیں اٹھائے بستر پہ ڈال دے ، کیونکہ اس کے بعد نہ ہاتھوں میں جنبش رہتی ہے اور نہ ٹانگوں میں دم۔

کسی دن محلے میں افطاری بانٹنی ہوتی ہے ۔کسی دن خود افطار پارٹی میں جانا ہوتا ہے ۔کسی دن اتوار ہوتا ہے ، کسی دن جمعہ ہوتا ہے (خاص دنوں میں تو خاص افطاری ہی بنے گی) اہتمامِ طعام سے فراغت ہی نہیں ملتی ۔ ایک آدھ روز ہ کشائی بھی ہم سے توجہ چاہتی ہے ۔ دونوں عشرے اسی افرا تفری ، دھوما دھومی میں چٹکی بجاتے ہی رفو چکر یا ہمارے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں پھر آخری عشرہ ہمیں اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور ہماری فکرمندی نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی ہے ۔

عید کی تیاری بھی تو کرنی ہے !......ایک الارم سا بجنے لگتا ہے ۔ چنانچہ ہم کمر کس لیتے ہیں اب تو گنجائش ہی نہیں ہے ۔افطاری کی اور قافلے سمیت بازار کا رُخ کیا ۔رات گئے ، تھکے ہارے گھر لوٹے ، پڑ کے سو رہے ۔ روز روز کی شاپنگ کے باوجود سینڈل رہ گئی ، میچنگ جیولری رہ گئی ، یہ رہ گیا ، وہ رہ گیا اور اسی افرا تفری دوڑ بھاگ میں چاند رات آ گئی ......اس کی افرا تفری ...... وہ تو نا قابل بیان ہے ۔ پردوں ، چادروں ، کشن ، کپڑوں کی استری کرنی ہے ، بادام

کے پھریرے کاٹنے ہیں، شیر خرما چڑھانا ہے، خستہ کچوریوں کا آٹا گوندھنا ہے، ...... دہی بڑوں کے لئے بڑے تیار کرنے ہیں، املی کی چٹنی بنانی ہے، کباب بنانے ہیں، ڈائننگ ٹیبل پر نیا کور چڑھانا ہے......مہندی لگوانی ہے، فیشل کروانا ہے، اور سبکو چاندرات مبارک کے ایس ایم ایس بھی تو سینڈ کرنے ہیں!

ان تمام جھمیلوں کے درمیان فجر کی اذان کب ہو جاتی ہے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بس ہمیں اتنا ہی پتہ رہتا ہے کہ ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ بھاگ بھاگ کے دوڑ دوڑ کے ٹیبل سجائی، درو دیوار پر طائرانہ نظر دوڑائی، ڈرائنگ روم کا کونہ کونہ آراستہ و پیراستہ کیا، ایر فریشنر اسپرے کرنے کے بعد وہاں سے پلٹے ......مرد عید کی نماز کے لئے روانہ ہوئے اور ہم ......سدھ بدھ بھلا کر بستر پر جو دراز ہوئے تو کال بیل کی آواز پر بادلِ نخواستہ !......

❁ ❁ ❁

چلتے چلتے

زندگی کے سفر میں چلتے چلتے ہم پر ایک دفعہ پھر رحمتوں، برکتوں، سعادتوں، عبادتوں اور ریاضتوں کا ماہِ صیام سایہ فگن ہے خوش قسمت ہیں وہ مسلمان جو اس ماہ میں اس مہینے کا حق ادا کر کے اپنے نفس پر قابو پا سکیں۔ پورا سال اللہ تعالیٰ خالق و رزاق کی بے شمار نعمتوں سے مستفید ہونے والے محض تیس (30) دن اس کے حکم پر سرِ تسلیم خم کر کے اپنے کھانے پینے کے اوقات میں تھوڑا ردو بدل نہ کر سکیں تو تُف ہے ایسے مسلمانوں پر۔ بچوں کی محبت میں اتنا گرفتار نہ ہو جایئے کہ محض امتحانات کی خاطر یا ان کے دبلے پتلے سراپے کی وجہ سے انہیں روزہ رکھنے سے منع کر دیں۔ اولاد کو صدقۂ جاریہ بنایئے اسے فتنہ نہ بنایئے یاد رکھیئے آج تک روزہ رکھ کر کسی کو مرتے نہیں دیکھا۔ روزہ رکھیئے پوری نیک نیتی سے۔ روزے کے تمام تقاضے ملحوظ رکھیئے۔ اپنی اپنی ذمہ داری نبھایئے۔ معمول سے زیادہ عبادت کرنے میں وقت لگایئے۔ سخاوت و خیرات کرنے میں ہاتھ زیادہ کھولئے۔ دیکھئے گا روح کیسی شاد کام رہتی ہے اور یہ گنتی کے چند دن کیسے پر لگا کر اڑتے ہیں۔

اس ماہِ مقدس کے حوالے سے آج جگر مراد آبادی کی ایک خوبصورت نعت پڑھیئے۔ سر دھنیے اور درود و سلام کا تحفہ حضورﷺ کی نذر کیجیئے۔

مدحت اُس ؐ کی کیوں نہ کریں وہؐ مدحت کا حقدار بھی ہے
بعد خدا جو اپنی حدوں میں مالک بھی، مختار بھی ہے
تبلیغِ اسلام کی منزل آساں بھی ہے، دشوار بھی ہے
رحمت کا گہوارہ بھی ہے، طائف کا بازار بھی ہے
حکمِ شہہِ ابرار پہ چلیئے، خار بھی گل بن جائیں گے
دشت نہ سمجھو اس دنیا کو، یہ دنیا گلزار بھی ہے
پاس تو ہے قرآن ہمارے، نافذ یہ دستور نہیں
رحمت سے ہیں لوگ گریزاں، رحمت ہی درکار بھی ہے
آج بھی اُس ؐ کی سیرت یارو! راہ نما ہے دنیا کی
ایک اک اس کا ماننے والا، پھول بھی ہے تلوار بھی ہے
طوفانوں کا کیا ڈر ہم کو، اسوۂ احمدؐ اپنے لئے
دریا بھی ہے ساحل بھی ہے، ناؤ بھی ہے پتوار بھی ہے
نعتیں لکھنا، نعتیں پڑھنا، نعتیں سننا خوب مگر
سب یہ زبانی دعوے ہیں کیا دل سے ہمیں اقرار بھی ہے؟

اور اب آتے ہیں آج کی خبروں کی طرف۔ تو قارئینِ محترم! اس سلسلہ کی پہلی خبر ملاحظہ فرمایئے۔

''ویت نام میں باہمی گفتگو کرنے اور نغمے گانے والے نایاب بندر مل گئے۔ انسانی آبادیوں سے دور لاؤس کی سرحد کے قریب جنگلات میں 455 ایسے بندر مل گئے ہیں''

ہمارے بعض سیاستدان جو کہ اقتدار کے ہنڈولے

میں جھولے لے چکے ہیں یہ خبر پڑھتے ہی ان میں سے چار پانچ بندروں کو حاصل کر کے جاتی عمرہ لانے کی تدابیر پر غور فرما رہے ہوں گے کہ گیت سنگیت سے ان کا گہرا رشتہ ہے۔ بہاولپور میں کسی سفینہ کا ہاتھ ہمارے اس کالم میں مذکور ہو چکا ہے جو ہم آج سے کوئی دس بارہ سال پہلے دستک کے کالم سے روزنامہ انصاف، میں لکھا کرتے تھے۔ انہی دنوں بھارت کی کسی سفینہ کے ہاتھ بھی میاں نواز شریف صاحب کا ذکر شریف ہوا تھا لہٰذا گمان غالب ہے کہ ابمیاں صاحب ان بندروں کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں گے شورش کاشمیری نے برسوں پہلے میاں صاحب کے اس شوق کا اندازہ لگالیا تھا۔ ذرا سنیئے تو سہی۔

؎ روشن آرا گا رہی تھی اک بڑے لیڈر کے گھر
''نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا''
ریشمی صوفوں کی زینت تھے تغزل آشنا
''کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا''
کہہ رہے تھے کرسیوں کی فکر میں امیدوار
''صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا''

''چین جلد امریکہ سے سپر پاور کی حیثیت چھین لے گا۔ 22 ممالک میں کرائے گئے سروے کے مطابق پاکستان، چین اور میکسیکو کے شہروں کی اکثریت نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ مستقبل قریب میں چین امریکہ سے سپر پاور کی جگہ لے گا۔''

آپ کے منہ میں گھی شکر اے بے شمار شہریو! اول تو سچ حق کی بات یہ ہے کہ اللہ قادر مطلق ہی سپر پاور ہے۔ باقی سب فنا پذیر زوال پذیر ہے لیکن اگر دنیا کی رہبری دینے کے لئے کوئی انسانی قوم ہے بھی تو وہ منصب بھی امت وسطیٰ کو ودیعت کیا گیا ہے مگر ساتھ ہی مومن ہونے کی شرط بھی لگا دی ہے ''تم ہی رہو گے غالب اگر تم مومن ہو'' اللہ بصیر وحکیم کے اس اعلان کے بعد ہمارے مغلوب ہونے کی وجہ ایک ہی ہے کہ ہم نے ایمان و اسلام کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔ محض زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل ...... دل و نگاہ کا مسلمان ہونا بھی ساتھ از بس ضروری ہے۔

ان حالات میں روس کا شیرازہ بکھرنے کے بعد امریکہ سپر پاور بننے کے شوق میں یوں جا بے جا اپنا ڈانڈا چلا رہا ہے گویا یہ کسی اندھے کے ہاتھ میں لٹھ آ گیا ہو اور وہ ہجوم پر برساتا چلا جائے۔ اس کی زد میں قصوروار، بے قصور، نیک و بد جو بھی آئے، آتا چلا جائے اور جب ریوڑیاں تقسیم کرنے کی باری آئے تو مڑ مڑ اپنوں ہی کو دے گویا یہ اندھا گانٹھ کا پورا ہے۔ اب دیکھ لیجئے کہ لٹھ برسا رہا ہے تو عراق، افغانستان اور پاکستان پر اور ریوڑیاں بانٹ رہا ہے اسرائیل اور بھارت کو۔ لہٰذا اس گھاگ اندھے سے چھٹکارا جتنی جلد بھی مل جائے اتنا ہی امن عالم کے لئے ضروری ہے۔ چین ایک با اصول ملک ہے ...... ہمارا دوست بھی ہے۔ اس سے کوئی لیکن اس سے بھی اہم یہ ہے کہ خود امت مسلمہ اتنی متحد اور ایمان و عمل کی حامل ہو جائے کہ یہ دنیا کی رہبری کرے۔ انشاء اللہ وہ وقت کبھی نہ کبھی ضرور آئے گا فی الحال تو امریکہ سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔

؎ ربّا ساڈی اِکو دُعا
امریکہ نوں مغروں لا

''ظفر قریشی کی معطّلی معمول کی کارروائی ہے۔ حکومت

اور سپریم کورٹ آمنے سامنے نہیں آسکتے۔کرپشن اور اپوزیشن سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں: وزیراعظم گیلانی''

بجا فرماتے ہیں گیلانی حضور! آپ کے نزدیک تو اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے ہر کارروائی، ہر سازش، ہر چکر، ہر دوستی، ہر دشمنی معمول کی کارروائی ہے غیر معمولی کارروائی تو صرف وہی ہوگی جس کے بعد اقتدار آپ سے چھن جائے گا۔یہ بھی درست فرمایا کہ کرپشن اور اپوزیشن سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔بھلا آپ کو خطرہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔امریکہ جیئے' جگری یار' کا سایہ آپ کے سر پر ہے ق قبیلہ آپ کے قدموں میں ہے۔گویا سر سے پاؤں تک آپ محفوظ و مامون ہیں آپ کے بچے پاسے متحدہ اور کھبے پاسے فضل الرحمٰن صاحب۔واقعی کوئی خطرہ نہیں۔اپوزیشن تو ویسے ہی فرینڈلی ہے،بس ذرا کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے آپ سے کوڈی کوڈی کھیل لیتی ہے۔رہ گئی متحدہ تو وہ بھی لکن مٹی کا کھیل بڑے شوق سے آپ کے سنگ کھیلتی رہی ہے۔لہٰذا ڈر،خطرہ، خوف کا ہے کا گویان۔ق۔م۔ف سب کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں۔

؎ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

''جاپان: طلاق کی تقریب کا انعقاد۔کھانا اور شادی کی انگوٹھی توڑنے کی رسم۔کاروبار جنوبی کوریا تک پھیل گیا''

اخباری خبر کے مطابق ''جاپانی قوم جو تلخ یا شیریں ہر قسم کی یادیں محفوظ رکھنے میں سرگرم اور مشہور ہے۔اب 2009ء سے ایک نئی تقریب جسے طلاق تقریب کہہ لیں منعقد کرنے لگی ہے۔اس تقریب کے موجد ہیرو کی تیرائی نے ٹوکیو میں ایک طلاق محل قائم کیا ہے اس تقریب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے باعث اس نے کاروبار جنوبی کوریا تک پھیلا لیا ہے۔طلاق کی تقریب پر 55 ہزار ین لاگت آئی ہے جس میں بوفے کھانا اور انگوٹھی توڑنے کی رسم بھی شامل ہے۔سی این این کے مطابق 7 ستمبر 2010ء کی رپورٹ کے مطابق جاپان میں ہر چار شادیوں میں سے ایک کا انجام طلاق ہے۔''

لیجئے! اسے کہتے ہیں چڑیاں دی موت تے گنواراں دا ہاسا۔نرم و نازک دل ٹوٹنے پر بوفے کھانا۔تقریب منانا اور انگوٹھی توڑ کر محبت کا نام و نشان مٹانا۔خوب سوجھی ہے اس تقریب کے موجد کو اور کیسے بے حس ہیں جاپانی اس لحاظ سے کہ جو دکھ اور ملال کی اس کیفیت کو خورد و نوش اور راگ رنگ میں بدل دیتے ہیں۔دو انسان ایک ساتھ چلنے کا عہد کرتے ہیں اور پھر کبھی یہ عہد نبھا نہ سکیں تو پھر آپس میں علیحدگی کا موڑ آجاتا ہے۔ایسے میں فریقین پہ کیا بیتتی ہے خاص کر صنف نازک پر لیکن کیسے پتھر دل لوگ ہیں جو اس کو ایک تقریب کی شکل میں منا کر حاضرین کو لطف اندوز کرتے ہیں مگر ٹھہریئے! جس ملک میں طلاق کی شرح کا یہ حال ہو وہاں شاید دلوں میں ملال اور بال کچھ بھی نہیں آتا کہ ان کے نکاح بھی اسی طرح ہنگامی بنیادوں پر ہوتے ہیں اور جدائی بھی آناً فاناً طے پا جاتی ہے۔

یہ ہمارا اسلامی عائلی نظام تو نہیں جہاں زوجین کے ایسے ایسے حقوق و فرائض متعین کر دیتے ہیں خالق ارض و سما نے کہ اگر جدائی ہونا بھی پڑے تو ایک وقار سے ...... ایک قرار سے دے دلا کر عورت کو رخصت کیا جاتا ہے اور یہ عورت پھر میلے ٹھیلے میں شادی کی انگوٹھی نہیں توڑتی بلکہ ایک

سنجیدگی سے اپنی عدت کی مدت اپنے گھر کے اندر اس طرح گزارتی ہے کہ غیر محرم کی نظر بھی نہ پڑے اس پر اور عدت گزارنے کے بعد وہ اپنا دوسرا ہم سفر حاصل کرنے کی پوری طرح مجاز ومختار ہوتی ہے...... یہی نہیں ایک سے زائد مگر حد چار تک نکاح کرنے کا ایک مرد کو اختیار دیا گیا ہے مگر عدل و انصاف کرنے کی کڑی شرط کے ساتھ یہ نہیں کہ محض اجازت کے زعم میں دو چار بیویاں ایک چھت تلے اکٹھی کر لی جائیں اور پھر نہ ان کے حقوق کے ادا کرنے کی فکر اور نہ ان کے ساتھ عدل و مساوات کا ذکر۔ ایسے میں گھر کا جو نقشہ ہو سکتا ہے وہ سب پر عیاں ہے ایسے ہی کسی ازواج کے شوقین شاعر نے کیسی منظر کشی کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

؎اولاد و وظائف کا میں یوں دور کروں گا
ایک بیوی ہے پہلے میری ، تین اور کروں گا
ہر صوبے سے لاؤں گا دلہن اپنے لئے میں
اس عزم کی تکمیل بھی فی الفور کروں گا
اے میرے وطن ! میں تیری یکجہتی کی خاطر
چاروں کو اکٹھا یہاں لاہور کروں گا
پہلی نے اگر دے دی مجھے اس کی اجازت
یوں اس سے تعلق پہ میں کچھ غور کروں گا
میں جور کروں ان پہ ، یہ ہو گی کہاں ہمت
وہ مل کے مجھے پیٹیں اگر جور کروں گا

❁❁❁

قصہ ایک دعوتِ ولیمہ کا

خلوص کا جواب خلوص سے ہی دینا چاہیے، مگر لکڑیوں میں آگ جلے گی تو کھانا پکے گا!

بیٹا عادل والہانہ انداز سے گھر میں داخل ہوا۔ ایک کارڈ میرے ہاتھ میں تھمایا اور صاحبِ کارڈ کا تعارف کروایا جو خاصا دلچسپ تھا۔

''ایک صاحب دے گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں تمہارے نانا جان کے گھر کے عین سامنے میرا گھر تھا۔ تمہارے ابو جی کی شادی اور میری شادی ایک ہی دن، ایک ہی تاریخ کو ہوئی تھی۔''

کارڈ بے قراری سے کھولا۔ دولڑکوں کی دعوتِ ولیمہ تھی ڈی گراؤنڈ کے قریب ایک پارک میں، دوپہر ایک بجے کا اندراج تھا۔ دوعدد بیٹوں کے ولیمہ کا دعوتی کارڈ والد صاحب بنفسِ نفیس لے کر حاضر ہوئے تھے۔ آخر خلوص بھی کوئی چیز ہے آج کے منافقت زدہ دور میں، جھٹ ارادہ کر لیا شمولیت کا۔30اپریل کو گرمی شدید تھی۔ لودھی صاحب کا خیال تھا کہ گراؤنڈ میں گرمی بہت ہو گی میں نے ڈھارس بندھائی، درختوں اور پنکھوں میں بیٹھے ہوں تو گرمی زائل ہو جاتی ہے۔ اندر سے میں بھی گومگو میں تھی جائیں یا نہ جائیں۔ ذہن نے جھنجوڑا دعوت دی جائے تو قبول کرنے کی تاکید ہے۔ ایک بجے تیار ہوگئی مگر شوہر صاحب ایک بجے آ کر بستر پر دراز ہو گئے۔فرمایا ظہر کی نماز ادا کر کے چلیں گے۔ جی میں آیا یوں دیر ہو جائے گی۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر شوہر صاحب نے فون کر کے پوچھ لیا کہ دعوتِ ولیمہ کا صحیح وقت کیا ہوگا؟ دولہا کے چچا صاحب نے جو ساتھ ہی مستقل رہائش پذیر ہیں وثوق سے بتایا کہ دو بجے پارک میں پہنچ جائیں۔ دل ہی دل میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ چلو کچھ ملاقاتیں نئی پرانی ہونگی دیر سے پہنچنے کی خفت سے بچاؤ کی تدبیر دکھائی دی۔گھر سے تقریباً بارہ منٹ میں جائے وقوعہ پر حاضر تھے۔ٹھنڈی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے پورے گراؤنڈ کے 2 چکر لگائے، سایہ دار جگہ کی تلاش میں کہ گاڑی پارک کر لیں۔ اس دوران میں پنڈال کا جائزہ لیتی رہی جہاں کوئی میزبان نہ تھا۔ ایک کونے میں دیگوں کے نیچے لکڑیاں جلانے کا کام شروع کیا جا رہا تھا۔ گندے برتن اوندھے سیدھے یعنی گلاس پلیٹیں، چمچ، ٹب کے اردگرد بکھرے پڑے تھے۔مکھیوں کی یلغار میں سے گزرتے ہوئے سرخ قالین پر چلتے ہوئے کرسیوں کی جانب قدم بڑھائے۔ دو عدد دلہنوں کیلئے دو سٹیج نظر آ گئے۔ زنانہ، مردانہ کی حدود بندی میں کر رہی تھی کہ پتہ چلا کہ ایک ہی ہال یعنی گراؤنڈ تھا۔گرمی میں شرابور ہو گئے آخر میں بولی پنکھے کدھر ہیں جواب ملا وہ سامنے قطار میں رکھے ہیں ابھی چلا دیتے ہیں۔ سابقہ دولہا یعنی لودھی صاحب (ظاہر ہے وہ بھی کبھی دولہا رہے تھے جس کی یاددہانی چند روز

قبل ہی کروائی گئی تھی) نے پوچھا کہ میز بان کدھر گئے ۔ جواب ملا ابھی تک کوئی نہیں آیا آپ ہی پہلے مہمان ہیں یعنی جنھوں نے وقت پر آ کر blunder کیا۔ وہ تو پھٹ پڑے پانچ چھ افراد جو منتظمین میں سے تھے موجود تو تھے میز بان نہ سہی ۔

''لعنت بھیجو ایسی دعوتِ ولیمہ پر......اتنا پیسہ کیا کرنا ہے ؟ کسی مناسب جگہ ہال بُک کروالیا ہوتا۔ یا زیادہ بچت پروگرام ہی تھا تو رات کو ولیمہ کر لیتے ۔ لُو چل رہی ہے اوپر سے لکڑیوں کے جلنے کی حدت، مکھیوں کی شدت اور میز بان ندارد۔''

واپس پلٹے تو میں جی ہی جی میں پروگرام بنا رہی تھی کہ چلو گاڑی میں اے سی چلا کر بیٹھ جائیں گے۔ یا پھر ایک اور حل بھی زیرِ غور تھا کہ قریب ہی ایک شناسا گھر ہے وہاں ذرا آرام کر لیتے ہیں ۔ چند منٹوں کی تو بات ہے میز بان آتے ہی ہوں گے۔ دیر سویر ایسے خوشی کے کاموں میں ہو جایا کرتی ہے۔ دو بج کر پچیس منٹ تو ہو چکے ہیں کچھ دیر پہلے میز بان نے دو بجے کا وقت بتایا تھا۔

واپسی کے راستے پر جونہی سرخ قالین سے قدم باہر کئے ایک ذمہ دار فرد بولا ''5 بجے سے پہلے کھانا تیار نہیں ہوگا۔ ابھی تو ہم نے آگ جلائی ہے آپ کے سامنے۔''

مشاہدہ کیا تو اطلاع سو فیصد درست نکلی ۔ گراؤنڈ کے دوسرے حصے میں بھی ایک شادی تھی وہاں بھی میز بان اور مہمان نام کی کوئی مخلوق نہ پائی۔ البتہ چند لوگ مکھیوں کے ڈھیر میں ہی سلاد کاٹ رہے تھے۔

گھر میں قدم رکھے تو بیٹا اور بہو کھانا کھا رہے تھے ۔لودھی صاحب ایک لمحہ ضائع کئے بغیر کھانا تناول فرمانے لگے فرائی بھنڈی توری کی پسندیدہ ڈش سامنے تھی۔ میں ہلکے پھلکے انداز میں ولیمہ پر تبصرہ کرنے لگی بہو کی بچی سات ہفتہ عمر کی ہے ۔ میری ذاتی خواہش تھی کہ بہو بھی جائے تو سب سے ملاقات کر لے گی ورنہ کہاں اہتمام کیا جاتا ہے بعد میں ملنے ملانے کا ۔لودھی صاحب نے کہا شکر ہے سحر بیٹی تم نہ گئیں، گرمی میں بُرا حال ہو جاتا ۔ مجھے بھی ملازمہ لڑکی نے گرم گرم چپاتی بنا کر دی جو میں نے اپنے پھیکے سالن کے ساتھ کھائی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ولیمہ کے کھانے تک نارسائی کی حکمت واضح ہوتی چلی گئی ۔ اب اس عمر میں مصالحہ دار اور حفظانِ صحت سے دُور رکھ کر پکائے گئے کھانے کا حوصلہ کہاں تھا ؟ ایک اخبار کے کالم میں درج حافظ ادریس صاحب کا شادی کے حال پر تبصرہ یاد آ گیا ۔ واقعتاً ایک دردمند دل رکھنے والا ، پابند صوم وصلوۃ مسلمان ان دعوتوں کا متحمل نہیں ہوسکتا مجموعی طور پر پاکستانی قوم وقت کی قاتل ہے۔

قائد میرے خواب میں

ہر سال کی طرح اس سال بھی چودہ اگست کی رات قائد میرے خواب میں آئے ۔ پہلے سے بہت زیادہ کمزور دکھائی دے رہے تھے ۔ زرد رنگت، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور کچھ مضطرب سے...... آج تو میں بھی بہت متفکر تھی ۔ جانتی تھی کہ ہمیشہ کی طرح قائد کیا سوالات کریں گے ۔ اُن سوالوں کے جوابات دینے کا حوصلہ میں خود میں نہیں پا رہی تھی ۔ جو کچھ بھی تھا، جیسا بھی تھا مجھے ٹھیک ٹھیک رپورٹ دینی تھی ۔ میں قائد سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی ۔ میں نے آگے بڑھ کر ادب سے سلام کیا تو انہوں نے کپکپاتا ہوا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا۔ مجھے یوں لگا گویا میں کسی مضبوط سائبان تلے آ گئی ہوں ۔ چند لمحے یونہی سرک گئے ۔ پھر قائد نے وہی سوال کیا جو ہمیشہ سب سے پہلے کیا کرتے تھے کہنے لگے: سناؤ ! میرا گلشن کیسا ہے؟

میں نے کہا: قائد ! میں جانتی ہوں جواب آپ کیلئے تکلیف دہ ہوگا لیکن کیا کروں آپ سے جھوٹ بھی نہیں بول سکتی ۔ اب تو گلشن کے گردونواح سے اٹھتی بساند کی شدت سے میرا اپنا جی متلانے لگا ہے۔

وہ حیرت سے گویا ہوئے: کیسی بساند؟

میں نے کہا: قائد !ظلم و زیادتی ، کرپشن ، دغا بازی ، بے ایمانی اور لوٹ مار کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بساند......

قائد نے جلدی سے پوچھا: میرے بچے تو میرے گلشن کے پھول تھے ۔ اُنکی ایما پر میں نے آگ وخون کا دریا عبور کرنے کی ٹھانی تھی ۔ میں اُنہیں گلشن کو سنبھال کر رکھنے کی تاکید کر کے آیا تھا وہ کیا ہوئے ؟

میں نے شرمندگی سے نگاہیں جھکاتے ہوئے کہا : بابائے قوم ! ہم نے اُن لازوال قربانیوں کو بھلا ڈالا ۔ تیری نسلِ نو بے وفا نکلی ۔ میرے جواب پہ قائد تڑپ اٹھے،نسلِ نو بے وفا نکلی؟ میں نے تو اُنکے آبا سے وفاداری اور تہذیب پہ لمبے چوڑے خطابات کیے تھے ۔ انہوں نے انہیں قطرہ قطرہ نئی نسل تک منتقل نہیں کیا؟

میں نے کہا: قائد ! بتاتے ہوئے سخت شرمندگی ہوتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب وطنِ عزیز کی پاکیزہ فضائیں خالص نہیں رہیں ان میں حرص و ہوس ، دولت اور طاقت کی ناخوشگوار بدبو بھی رچ بس گئی ہے اور طلب کی اس بھوک نے تہذیب کے آداب بھلا ڈالے ہیں۔

قائد کی اُمید بھری آواز گونجی : اور میرے مستقبل کے معمار؟

قائد کے اس سوال نے میرے سر کو مزید جھکا دیا۔

میں نے کہا: قائد! معمار تو عرصہ ہوا اپاہج پڑے ہیں۔

انٹرنیٹ اور موبائل فون کے نشے نے انہیں کسی کام کاج کے قابل نہیں چھوڑا فارغ دماغ شیطان کا گھر بن چکے ہیں ۔ چنانچہ اب اُنکے دل و دماغ میں ایسی ہی سوچیں پروان چڑھتی ہیں ۔

قائد نے دُکھ بھری آواز میں پوچھا : کیا انہیں راہ دکھانے کو لیڈر نہیں رہے؟

میں نے کہا: نہیں قائد! ایسی بات نہیں ۔ لیڈر تو ہیں لیکن صد افسوس کہ اب تیرے حاصل کئے گئے اس خطۂ زمین کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کے گرد ہمہ وقت مظلوموں کی بد دعاؤں اور آہوں کا حصار کھینچا رہتا ہے ۔ جب عوام وقت کی مار سے شدید لہولہان شدت سے اُٹھتی ٹیسوں پہ قابو پانے کی ناکام کوشش میں مصروفِ عمل ہوتی ہے تو لیڈرانِ وطن کو بیرونی دورے کی اہم نزاکتوں کا خیال ستانے لگتا ہے۔

میرے اس جواب پہ قائد غصے میں آ گئے :

اُنکی اس ضمیر فروشی پہ عوام صدائے احتجاج بلند کیوں نہیں کرتی ؟

میں نے ادب سے عرض کیا : قائد ! آپ کی عوام کو آٹے چینی کے بحران اور بجلی و گیس کی لوڈ شیڈنگ میں الجھا دیا گیا ہے تا کہ ان کے اعصاب اس قدر تھک جائیں کہ وہ ملکی سطح پر ہونے والے ''اہم معاملات'' پہ غور و فکر کرنے کے قابل ہی نہ رہیں ۔

قائد نے کہا: ایسے حکمرانوں پہ تکیہ کرنے کا کیا فائدہ ؟ وہ خود ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے ؟

میں نے کہا: قائد ! میں شرمندہ ہوں ۔ بھائی چارے کے وہ مظاہر جو 1947ء کے اگست میں دیکھے گئے تھے اب عنقا ہو گئے ہیں ۔ اب تو گویا اک روایت سی چل نکلی ہے ہر دوسرے دن جب مفلوک الحال باپوں کی سفید پوشی کا بھرم رکھنے کو کوئی ہاتھ آگے نہیں بڑھتا تو وہ بھوک و افلاس سے تنگ آ کر پھول سے بچوں کو بیچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔

اتنا سننا تھا کہ قائد سسک اٹھے ، ان کی سسکیاں میرے دماغ پہ ہتھوڑے برسانے لگیں ۔ میری آنکھوں میں جھلملاتے شرمندگی کے سائے مزید گہرے ہونے لگے ۔ میرا جی چاہا کہ میں آگے بڑھ کر تسلی کے دو بول بول دوں ۔ لیکن لفظ جیسے کھونے لگے ۔ ابھی میں کھوئے لفظوں کو تلاش ہی رہی تھی کہ قائد کی کرب میں ڈوبی آواز اُبھری ۔ میں نے تو اسلام کا قلعہ تعمیر کیا تھا ۔ اسلام کہاں گیا؟

قائد کے سوال سے میری آواز بھی بھرا گئی ۔ میں نے نہایت پست لہجے میں جواب دیا ۔

اے معمارِ وطن ! آپ نے جو اسلام کا قلعہ تعمیر کیا تھا اُس میں اسلامی اصولوں کا لباس زیبِ تن کرنے والوں کو ہی سب سے بڑا مجرم قرار دیا جاتا ہے ۔ آپ کے ''آزاد وطن'' کے ''آزاد شہریوں'' کیلئے سانس تک لینا دشوار کر دیا گیا ہے ۔

اتنا کہنا تھا کہ قائد نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا بس کر دو میرا سینہ غم کی شدت سے پھٹ جائیگا ۔ ان بوڑھی ہڈیوں میں اب مزید درد سہنے کی طاقت نہیں ہے ۔ انہوں نے کچھ توقف کیا ۔ شاید سسکیوں کا گلا گھونٹنے

کی کوشش کررہے تھے۔ پھر ہاتھ سے جناح کیپ کو درست کیا اور گری ہوئی چھڑی اُٹھا کر اجازت چاہنے لگے۔

اچھا میری بیٹی ! صبح صادق ہونے کو ہے۔ ستارے آنکھیں میچ رہے ہیں چاند بھی جانے کی تیاری میں ہے۔ اب میں بھی چلتا ہوں۔

میں نے کہا: قائد! اقبال کو میرا سلام کہنا۔

کہنے لگے : اقبال کو سلام کہا تو وہ وطن کے حالات پوچھے گا اور مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ اُسے یہ سب بتا سکوں۔ وہ اپنے سب سے حسیں ،سنہرے خواب کا یہ حشر برداشت نہیں کر پائے گا۔

اتنا کہہ کر قائد چلے گئے اور میں تا دیر ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ اس راستے کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلاتی رہی جہاں سے کچھ دیر قبل قائد واپس گئے تھے۔

ایک دیوار کی اوٹ

بچی کی سسکیوں کی آواز مجھے بے چین کر رہی تھی۔ ایک دیوار کی اوٹ تھی مگر میں تصور میں اس بچی کو آنکھیں مسل مسل کر روتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور پھر میری تڑپ نے مجھے مجبور کر دیا اور میں نے سعدیہ سے پوچھا یہ بچی کب سے اس طرح بلک رہی ہے کیا وہ گھر میں تنہا ہے کوئی اسے چپ کیوں نہیں کرواتا؟ سعدیہ نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا کہ جن کے نصیب میں مسلسل دکھ ہوں وہاں دلاسہ اور ہمدردی بے معنی ہو جاتے ہیں۔

یہ لوگ کوئی ڈیڑھ سال سے ہمارے پڑوس میں آئے ہیں بس کبھی کبھار ہی سرِ راہ ملاقات ہو جاتی ہے مگر افلاس اور درد کے سائے اس خاتون کے چہرے پر جیسے چسپاں ہو کر رہ گئے ہیں مجھے تو کریدتے ہوئے بھی اچھا نہیں لگتا اور بس سلام دعا سے آگے بات نہیں ہو پاتی مگر جھگڑنے کی آواز اکثر سنائی دیتی ہے۔ جہاں غربت نے ڈیرے ڈالے ہوں اور دو وقت کی روٹی بھی کم کم میسر ہو وہاں اس طرح کے جھگڑے معمول کی بات ہوتے ہیں۔

سعدیہ کی باتیں سن کر میری تشویش اور ہمدردی کے جذبے میں شدید لہر اٹھی اور میں بغیر کچھ سوچے سمجھے برابر والے گھر کا دروازہ بجانے پر مجبور ہو گئی خستہ خال دروازہ چھ سال کی بچی نے کھولا تو ناشناسائی اور اجنبیت کی واضح لکیر اس کے چہرے پر نظر آئی۔ میں نے شفقت سے پوچھا تمہاری امی ہیں گھر میں؟ تو انکار میں سر ہلاتے ہوئے وہ اپنی بڑی بہن کو آواز دینے لگی۔ 13 یا 14 سال کی ایک بچی متورم آنکھوں اور سرخ چہرے کے ساتھ دروازے پر آئی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ سسکیاں اسی بچی کی تھیں جو کشاں کشاں مجھے یہاں تک کھینچ لائی ہیں۔ میں نے اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے قدم اندر رکھ دیئے۔ بچیاں شش و پنج کی کیفیت میں تھیں کہ مجھے اندر آنے دیا جائے یا نہیں بہر حال میں اپنے لہجے میں پیار سموئے ہوئے ان کی امی کے بارے میں پوچھنے لگی تو بڑی بچی کی سسکیوں میں اضافہ ہو گیا۔ چھوٹی بہن بولی آنٹی امی طوطا لے گئی ہیں ناں تو آپی اسی لئے رو رہی ہیں۔ میری حیرت میں اضافہ ہو گیا طوطے اور بچی کے رونے میں کیا مماثلت؟

حیرت کے لمحات بہت مختصر رہے کہ اسی اثناء میں ان کی والدہ آ گئی جس کے ہاتھ میں چند لفافے تھے ایک نظر میں مجھے آٹا اور چائے کی پتی کی پڑیاں نظر آئیں۔ نظریں چراتے ہوئے میں نے اپنا تعارف کروایا کہ میں آپ کی پڑوسن سعدیہ کی بہن ہوں اور بچی کے رونے سے پریشان ہو کر چلی آئی ہوں۔ رضیہ نام کی اس خاتون نے شاید بچی کو پکڑاتے ہوئے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا میں نے چند لمحوں کی خاموشی میں

کمرے کا جائزہ لیا تو ایک چار پائی جستی ٹرنک اور چٹائی کے علاوہ وہاں سامان نام کی کوئی چیز نہیں تھی رضیہ نے اپنی بیٹی کے رونے کی وجہ بتائی اور بتاتے ہوئے خود بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکی کہ آج وہ دو دن کے فاقے سے مجبور ہو کر اپنی بیٹی کے پالے ہوئے باتیں کرنے والے طوطے کو 1500 روپے میں فروخت کر کے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے چند دن کا راشن خرید کر لائی ہے۔ بھرائی ہوئی آواز میں سناتے ہوئے وہ نمرہ کو آواز دینے لگی وہ آ کر ماں کے گھٹنے پر سر رکھ کر پھر بلکنے لگی۔

مجبور ماں اور سسکتی ہوئی بچی کی داستانِ حسرت یوں تھی کہ رضیہ جو چار بیٹیوں کی ماں ہے دو مہینے سے اس کا شوہر بے روزگار ہے گردے کی تکلیف کی وجہ سے بھاری کام یا محنت مزدوری نہیں کر سکتا جس پریس میں کام کرتا تھا وہ کاغذ کے بحران کی وجہ سے بند ہو گیا ہے باوجود کوشش کے دوسری نوکری کا بندوبست نہیں ہو پایا۔ جہاں تنخواہ اتنی ہو کہ مہینے کے آخری دس دن دو وقت کی بجائے ایک وقت کا کھانا میسر ہو وہاں بچت جیسی عیاشی کہاں ہو گی۔ دو ماہ سے بچوں کی سکول فیس ادا نہیں ہو سکی اور طرفہ تماشہ یہ کہ تین بچیاں سکول جانے والی ہیں اور جنوری فروری مارچ میں ڈبل فیسیں وصول کی جاتی ہیں جون جولائی اگست کی فیس کے نام پر جہاں پیٹ کا ایندھن نہ ہو وہاں فیس اور وہ بھی ڈبل کیسے ادا ہوتی تو بچیاں ایک ماہ سے سکول نہیں جا سکی تھیں، گھر میں تھا کیا جو فروخت کرتے پتا نہیں 6 افراد پر مشتمل اس کنبے نے یہ دن کس طرح گزارے ہونگے اور آج اتنی محبت سے پالا ہوا طوطا اس محبت کی قیمت ادا کر کے انسانوں کے جنگل میں بازی لے گیا۔

میں گھر آ کر کتنی دیر تک یہی سوچتی رہی کہ کیا ہم پڑوس میں رہنے والوں سے اتنے بے خبر اور انجان رہتے ہیں؟ ہمارے گھروں میں جو سامان مہینے بھر کے لئے فریز ہو رہا ہے پورے مہینے کا راشن سٹور میں موجود ہے روز تازہ گوشت اور پھل میسر ہیں تو ہمیں کسی کی بھوک کا اندازہ کیسے ہو گا؟ ہمیں تو ہر وقت نعمتیں مل رہی ہیں اور ناشکری کی انتہا ہے کہ ہم ناک منہ چڑھا رہے ہوتے ہیں کہ یہ نہیں کھانا اور وہ نہیں کھانا۔ ہمیں اپنے اردگرد سے اتنا انجان اور بے خبر نہیں رہنا چاہیے کہ ہم خود تو پیٹ بھرنے کے لئے دسیوں نعمتیں کھا رہے ہوں اور دیوار کی اوٹ میں کوئی ایک ایک لقمے کو ترس رہا ہو۔ ان والدین کی اذیت کا اندازہ کریں جو اپنے بچوں کی بھوک کو جھوٹے دلاسوں سے بہلا رہے ہوتے ہیں اور اپنے پیٹ میں بھوک سے جلنے والے الاؤ کو اپنے آنسوؤں سے بجھانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ نجانے کتنے ایسے گھر ہمارے اردگرد موجود ہیں مگر ہم اپنی آنکھیں بند کر کے اور دلوں پر تالے لگا کر اپنی زندگی میں مگن ہیں کسی کے پیٹ کی آگ بجھانے والے پر دوزخ کی آگ حرام ہے تو کیا ہمیں اس آگ سے بچنے کی خواہش نہیں؟

مہکتی یادیں

انسانی زندگی پر جس طرح لوگوں کے انفرادی اخلاق و اعمال اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح کچھ گھرانے ایسے ہوتے ہیں جن کی مجموعی فضا سے دین کے پاکیزہ تصورات کی مہک لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ان گھروں سے پھوٹنے والی روشنی بہت سے تاریک دلوں کو منور کر دیتی ہے ۔ایسے ہی ایک گھرانے کا ذکر مجھ پر قرض ہے۔

آج کے حالات میں جب ہم اپنی تاریخ کے بہت نازک دور سے گزر رہے ہیں ایسے افراد اور ایسے گھروں کا ذکر، ہمارے لئے اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔

اس گھرانے کے سربراہ تو قیر احمد خاں صاحب ،تقریباً 35 سال قبل جہلم میں ہمارے پڑوس میں آ کر آباد ہوئے۔

خاں صاحب کا خاندان جالندھر کے نواح سے ہجرت کر کے پاکستان آیا۔ خاندان میں بہت سے علم و ادب کے چراغ پیدا ہوئے جبکہ دینی فہم کے حصول میں خاں صاحب پیش رو بنے اور اس کے نتیجے میں ان کے خاندان کے بہت سے بزرگ ،خواتین ،نوجوان اور بچے اس راہ کے مسافر بن گئے ۔خاں صاحب نے بھی جب دین کے صحیح تصور کو سمجھ لیا تو عمر کے آخری لمحہ تک یکسوئی سے اس کی عملی تفسیر بنے رہے۔

ان کی شادی بھی خالص دینی بنیادوں پر لاہور کے ایک تحریکی گھرانے میں ہوئی ۔بیگم توقیر خان کے والد رکنِ جماعت تھے۔ گھر میں باقاعدہ درس و تدریس کا سلسلہ قائم تھا اور بقول ان کے، والد صاحب کا کہنا تھا کہ اگر کوئی بھی درس میں نہ آئے تو بہنیں مل کر بیٹھیں اور قرآن ترجمہ و تفسیر سے پڑھ لیا کریں تا کہ تسلسل قائم رہے۔

جب دین کی بنیاد پر بننے والا یہ گھرانا جہلم میں آباد ہوا تو ان کے 4 بچے سکول کے ابتدائی درجات میں تھے ۔19 سول لائنز کا وہ چھوٹا مگر شفقت ،محبت ، وقار اور سادگی سے بھرا ہوا گھر بہت سے دلوں کا مرکز بنتا گیا۔ان کے لئے بھی جو دین کے کام سے وابستہ تھے اور ان کے لئے بھی جو ابھی حق کی تلاش میں تھے ۔شروع میں ان کی طرف سے درس کی دعوت پہنچتی رہی مگر تعلیمی اور دیگر مصروفیات کچھ اس طرح غالب رہیں کہ درس پر جانے کا ارادہ ملتوی ہوتا رہا۔ بیگم توقیر خان سے وہ ملاقات دل و دماغ پر نقش ہے جب ابا جان کی اچانک وفات پر وہ سب سے پہلے ہمارے گھر پہنچیں اور بہت پیار سے سب بچوں کو بٹھا کر ناشتہ کرایا۔ دستور کے مطابق پہلی جمعرات کو گھر میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا تو بیگم خالدہ توقیر صاحبہ، ایک انتہائی مشفق خاتون کے ساتھ تشریف لائیں جو کراچی سے ان کے ہاں آئی تھیں ۔وہ آپا بلقیس صوفی تھیں جنہوں نے فلسفۂ موت ،

پر درس دیا۔ وہ درس انتہائی خوبصورت اور اللہ کی محبت سے بھرپور تھا جس نے موت کے تصور کو ایک مثبت رُخ دیا۔ درس کے بعد ان کی گفتگو اور ذاتی زندگی میں اللہ کی محبت کی مثالوں نے ہماری سوچ کا رُخ متعین کرنے میں بہت مدد دی۔ پھر اللہ کی توفیق سے ایسی لگن لگی کہ سارا ہفتہ جمعرات کا انتظار رہتا جب خان صاحب کے گھر میں درسِ قرآن ہوتا اور وہاں جا کر ایسا سکون ملتا جو اور کہیں نہیں ملتا تھا۔

درس بہت سادہ زبان میں، عام فہم مثالوں کے ساتھ بہت خلوص سے دیا جاتا۔ اکثر درسِ قرآن کے بعد ان کی چھوٹی چھوٹی بچیاں حدیث کی کتاب سے اپنے مخصوص بلند اور واضح انداز میں حدیث سناتیں یا بیگم تو قیر صاحبہ کسی بھی نئے آنے والے کو کتاب دے کر پڑھنے کو کہتیں۔ یوں بہت پیار سے انہوں نے بہت سے لوگوں کو اس کام میں شامل کر لیا۔

یہ سلسلہ کئی سال جاری رہا۔ لاہور ہوسٹل میں جانے کے بعد، اور شادی کے بعد بھی میرا یہ معمول رہا کہ گھر میں سامان رکھتے ہی سیدھی ان کے گھر چلی جاتی اور وہ بھی بچوں کو یہی کہتی تھی کہ میں بھی تمہاری نانی ہوں فوراً بچوں کے لئے اہتمام شروع ہو جاتا اور سائڈ ٹیبل پر پڑی کتاب جو ان کے زیر مطالعہ ہوتی، اس کے بارے میں بتاتی رہتیں مطالعہ کا شوق اس گھر کی بہت خاص بات تھی۔ بچے بڑے سب کی خاص مصروفیت دینی کتب کا مطالعہ، اور اسے آگے پہنچانا تھا۔ گھر میں ٹی وی نہیں تھا مگر وہاں بچوں کو والدین سے بات چیت اور اخبار کے مطالعے سے سب خبر ہوتی تھی کہ آجکل کونسا پروگرام ٹھیک نہیں ہے اور اس کے بارے میں اخبار میں لکھنے کی ضرورت ہے۔ گھر والوں کیپہ ملاقات اکثر فجر کے بعد ہوتی تھی۔

رات جلدی سونا اور علی الصبح اٹھنا ان کے گھر کا معمول تھا۔ بچیاں بتایا کرتی تھیں کہ اکثر صبح صبح ابا جان انہیں دریا کی سیر پر لے جاتے تھے جو کہ قریب ہی تھا بچیوں سے مثالی محبت تھی اور گھر میں ان کی دلچسپی اپنی انتہائی مصروفیت کے باوجود (شوریٰ کے رکن بھی تھے اور ضلع کے امیر بھی) نبیؐ کی سنت کو تازہ کرتی تھی۔ بچوں کی ہر خوشی میں خوش ہونا، ان کی چھوٹی چھوٹی بات میں شامل ہونا، یہاں تک کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ کوئی نیا کپڑا سلواتے ہوئے بھی ہم ابا جان سے مشورہ کرتے تھے اور وہ شوق سے مشورہ دیتے تھے۔

جب بیگم تو قیر صاحبہ نے سکول کی ذمہ داری بھی لے لی اور درس و تدریس کی ذمہ داری تو سارا گھر ادا کر ہی رہا تھا تو اگر ابا جان جلدی آ جاتے اور بچیاں کالج سے نہ آئی ہوتیں تو ان کی سہولت کے لئے خود ہی چولہے پر ہنڈیا چڑھا دیتے اور رات کو اکثر ہمارا چکر لگتا تو پتہ چلتا کہ آج کے کھانے میں ابا جان کی مدد بھی شامل ہے (یہ سنت پر عمل کا وہ معیار ہے جسے اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے اور روایتی مثالوں کی تقلید میں گھر کے تمام افراد کے درمیان وہ ہم آہنگی پیدا نہیں ہو پاتی جو دین کو مطلوب ہے)۔

میں نے ان کے گھر کو مختلف ادوار میں دیکھا۔ جب بچے چھوٹے تھے، جب بچیوں کی شادی کا وقت آیا، جب اچانک خان صاحب بہت سے دلوں کو افسردہ کر کے خالقِ

حقیقی سے جا ملے۔ ہر خوشی، ہر غمی کے موقع پر......وہی انداز ......وہی فضا......وہی اپنائیت......درس کا ناغہ نہ ہونے دیا۔ دین کا کام چلتا رہا۔ اسی طرح سائڈ ٹیبل پر عینک اور کوئی نئی کتاب ہر وقت مطالعہ میں رہی۔ اُسی طرح لوگ محبتیں سمیٹتے رہے۔ خوشبو پھیلتی رہی۔

بڑی خاص بات مجھے یہ لگتی ہے کہ اس محبت میں عمومیت تھی۔ اپنے خاندان کے تمام افراد کے لئے، تمام ہمسایوں کے لئے، شہر کے لوگوں کے لئے یہ محبت صرف ان ہی لوگوں کے لئے مخصوص نہ تھی جو اقامتِ دین کا کام کر رہے تھے ہر ایک کے کام آنا، ہر کسی کے دُکھ درد میں شریک ہونا اور ہر ایک کے دین کی فکر کرنا، دین سے محبت کے جوہر کو ڈھونڈنا اور تراشنا۔ ہر بچے سے پیار ہر بزرگ کا احترام۔

ابا جان کی وفات کے بعد انہوں نے پڑوسی ہونے کے ناطے بچوں کی تربیت کی ذمہ داری از خود لے لی۔ بھائیوں کو ساتھ درسِ قرآن میں لے کر جاتے۔ گفتگو اور تبادلہ خیال کے ذریعے رہنمائی کرتے۔ ان کے کاموں میں دلچسپی لیتے۔ پڑھائی کے بعد، نوکری کا معاملہ آیا تو خود ساتھ جا کر جگہ دیکھی۔ دعائیں سکھائیں، تسلی دی، رشتوں کا معاملہ ہوا تو خود چھان بین کی، مشورہ دیا۔ دل سے خوش ہوتے اور خوشی میں شامل ہوتے۔ ہمارے گھر میں جب بھی کچھ لوگ اکٹھے ہوتے، کوئی بھی موقع ہوتا، خاندان کی تقریب ہوتی یا عمومی، خاں صاحب کی گفتگو کے بغیر مکمل نہ ہوتی۔ وہ موقع کی مناسبت سے انتہائی خلوص سے دل میں اترنے والی بات کرتے اور دعا کراتے۔ یوں اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود پڑوسیوں کا حق ادا کیا اور اپنے اخلاق و کردار سے افراد کو دین کے قریب لانے کا باعث بنے، جو صرف تقریروں سے ممکن نہ تھا۔

امی جانؒ صوبائی اسمبلی میں نامزد ہوئیں تو مختلف امور پر مشورے دینا، رہنمائی کرنا، انہوں نے اپنی ذمہ داری سمجھا اور کہا کہ اس ذمہ داری کو عبادت سمجھ کر ادا کریں اور اسے خلوص سے نبھایا ملک کے حالات جتنے بھی خراب ہوتے ان کی گفتگو بڑی حوصلہ افزا ہوتی کہ آزمائشیں تو آئیں گی۔ ہم دیکھیں کہ ہم اللہ کو اپنا کیا جواب دینگے کہ ان حالات میں ہم نے کیا کیا؟ اپنے خاندان کے لئے مختلف نظریات رکھنے والے افراد کو ایسی محبت اور شفقت دی کہ کئی زندگیاں یکسر بدل گئیں اور ان کی مسلسل توجہ، محنت اور خلوص سے بہت سے لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔

بڑی بیٹی اسما کی شادی خاں صاحب کی زندگی میں ہوئی جسے انہوں نے سب کے لئے ایک مثالی تقریب بنا دیا۔ جماعت کے مقامی دفتر کی عمارت میں نکاح ہوا نیچے خواتین کے لئے انتظام تھا اور اوپر کی منزل میں مردوں کے لئے۔ پوری تقریب میں مکمل طور پر علیحدہ بندوبست تھا کھانا بھی لڑکیوں نے کھلایا دولہا کو خواتین میں نہ لانے سے بھی پردہ کا انتظام برقرار رہا۔ چنانچہ سب نے اطمینان سے خوشی کی اس تقریب میں شرکت کی۔

خاں صاحب نے خود خطبۂ نکاح پڑھا۔ مائیک پر سب نے تقریر سنی اور دعا میں شامل ہوئے بعد میں خطبہ نکاح تقسیم کیا گیا۔

خاں صاحب کی وفات کے بعد جب لوگ اکھٹے

ہوئے تو پتہ چلا کہ ان کی محبت اور شفقت کا دائرہ بہت وسیع تھا۔سب لوگوں کے ذاتی تجربات ایک جیسے تھے۔اپنے گھر، خاندان، پڑوس کے علاوہ کئی گھرانوں پر ان کے اخلاق اور کردار کے براہ راست اثرات مرتب ہوئے۔

ایک لگن تھی، ایک جذبہ تھا، اللہ کو راضی کرنے کا، دین کو قائم کرنے کا جو ان کی پوری زندگی کے ہر گوشے کو متحرک رکھے ہوئے تھا۔

خاں صاحب اور ان کی بیگم کی زندگی رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنی جان اور اس سے متعلق تمام صلاحیتوں کو کھپا دینے کی اعلیٰ مثال تھی۔جس سے ان کی زندگی کے ہر گوشتہ میں قرآن وسنت کی جھلک نمایاں نظر آئی اور ان کی اس اہم آہنگی سے انکا گھر، رحمت وشفقت کا محور اور دین کی دعوت کا علمی اور مثالی مرکز بن گیا۔اللہ تعالیٰ ان کے بچوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

اگر ہر شہر میں چند لوگ ہی ایسے ہو جائیں تو اسلامی انقلاب کی منزل دور نہ ہوگی انشاء اللہ آج ہمیں ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے۔آج کے اس نازک دور میں جب بدی کی قوتیں پوری طرح منظّم اور بھرپور وسائل سے لیس ہیں اور دوسری طرف بہت سے افراد۔نیکی کے راستے پر چلنے کے لئے رہنمائی کے طلبگار ہیں ۔ ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو خود سراپا دعوت ہوں......جو نبیؐ کے اخلاق کا نمونہ بننے کی کوشش کریں۔ جنکا عمل خود گواہی دے کہ یہی بہترین راستہ ہے اور جن کے گھر امن، سکون، محبت کا گہوارہ اور روشنی کے مینار ہوں۔جو لوگوں کے دلوں میں، معاشرے کے اندر اثر انداز ہوں، جن کے جذبہ محبت اور اپنائیت کا احساس لوگوں کو اُس مقصد سے قریب تر کردے جس کے وہ خود علمبردار ہوں اللہ تعالی جانے والوں کی مغفرت فرمائیں اور پیچھے رہ جانے والوں کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا اخلاق و کردار اپنانے اور اپنے گھروں کو مثالی گھر بنانے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین) کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرسکیں اور اللہ کے بندوں کے لئے ہدایت پانے کا باعث بن سکیں۔آمین

۞۞۞

بہترین دوست

آج کا دور دوستی کا دور ہے۔لڑکے ہوں یا لڑکیاں، ہر وہ کام کرنا پسند کرتے ہیں جو انکے دوست کرتے ہیں ۔ والدین سے زیادہ وہ دوستوں کی باتوں پر عمل کرتے ہیں ۔ اگر دوست نے کہہ دیا کہ یہ کپڑا تم پر سوٹ کریگا تو وہی کپڑا پہننا پسند کرتے ہیں ۔ دوست فلاں کو چنگ میں جا رہے ہیں تو ہم بھی وہیں جائیں گے ۔ ہر بات اور ہر کام کا مشورہ دوستوں سے، ذرا ذرا سی بات پر sms ہو رہے ہیں۔

اچھا دوست ایک بہت بڑی نعمت ہے ۔ اگر اچھا دوست مل جائے تو یہ زندگی سنور سکتی ہے ۔ ورنہ یہ زندگی جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے غلط دوستوں کی دوستی سے برباد بھی ہو سکتی ہے ۔انسان اپنے دوست سے پہچانا جاتا ہے اس لئے جب بھی دوست بنائیں ایسے بنائیں جو دنیا ہی نہیں آخرت بھی سنواریں ۔ والدین کی اپنے بچوں کو یہی نصیحت ہوتی ہے کہ اچھے اور مخلص دوستوں کی صحبت اختیار کرو جن میں ایثار اور حب الوطنی کا جذبہ پایا جائے جو خود غرض اور مطلب پرست نہ ہوں جن دوستوں میں اچھی صفات نہ پائی جائیں اُن سے کنارہ کشی خوبصورتی کے ساتھ اختیار کرو کیونکہ یہ والدین یا رشتہ دار نہیں ہیں جو تبدیل نہیں کیے جا سکتے ۔ان سے کنارہ کشی کرنا ہی بہتر ہے ۔انسان اپنی پسند سے اپنے ہم مزاج، ہم خیال لوگوں کو ہی دوست بنانا پسند کرتا ہے ۔ ماں باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہماری اولاد اللہ کا ذکر کرنیوالوں کی صحبت میں بیٹھیں کیونکہ اچھی صحبت کا اثر شخصیت پر اچھا اثر ڈالتا ہے ۔

انسان کے کردار کو بنانے اور بگاڑنے میں دوست کی ''دوستی'' کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے حدیث میں ہے کہ رسولؐ خداﷺ کے صحابی ابو خلادؓ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جسے دنیا میں رغبت نہ ہو اور وہ کم گو بھی ہو تو اس کی قربت اختیار کرو کیونکہ اس کے دل میں دانائی ڈالی جاتی ہے ۔انسان کے عقائد، اخلاق اور کردار کو سدھارنے کیلئے اچھی صحبت جادو کا اثر رکھتی ہے جس قسم کے دوست کے پاس بیٹھا جائیگا نامحسوس طور پر اس کا اثر قبول کیا جاتا رہے گا ۔اگر عطر فروش کے پاس بیٹھ کر عطر نہ بھی خریدا جائے تو اس کے پاس بیٹھنے سے خوشبو ضرور آئے گی جو دل کو معطر کر دے گی ۔ اگر کوئلے یا آگ دھونکنے والے سے دوستی رکھی جائے گی تو ضرور ہاتھ منہ اور کپڑے کالے کرے گی یا کپڑوں پر چنگاری گر کر کپڑوں کو جلا دے گی اور اسے داغدار بنا دے گی ۔

حدیث کی دعا ہے ''اے اللہ ہمیں محبت عطا کر اور ان نیک لوگوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر جو آپ سے محبت کرتے ہیں ۔'' محبت کرو تو اللہ کے لئے نفرت کرو تو اللہ کے لئے ،دو تو اللہ کے لئے ،روکو تو اللہ کے لئے ۔ اچھا

دوست وہ ہے جو آپ کی خوبیوں کے علاوہ آپ کی خامیوں کو بھی نظر میں رکھے اور اُسے ختم کر دے۔ یہی اچھے دوست کی پہچان ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک مومن ہی مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ درحقیقت دوست وہی ہے جو حق بات کہے اور حق کا راستہ دکھائے۔ حق کا راستہ روکنے والا دوست کہلانے کے لائق ہی نہیں'' بہتر یہی ہے کہ اس سے دوستی ختم کر لو کیونکہ گناہ کی طرف راغب کرنیوالا دوست نہیں ہوسکتا۔

ہمیں اپنے اللہ کو خوش کرنا ہے۔ اچھے اور بُرے کا فرق جب انسان محسوس کر لے گا تو وہ اللہ کے حکم کے خلاف بالکل نہیں جائے گا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا ہے اور اپنے شعور کو بیدار کرنا ہے کہ یہ موبائل کی دوستی کیا ہے اور اس میں بغیر مقصد sms کیا ہیں تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ سب کافروں کی چالیں ہیں۔ مسلم کو تو یہ حکم ہے کہ بغیر تصدیق کہ کوئی بات کسی کو نہ پہنچاؤ۔ مومن کو تو حق کے سوا کچھ نہیں کہنا جب بولو تو حق بات بولو ورنہ غلط بات منہ سے نہ نکالو جس سے آخرت میں ہماری پکڑ ہو۔ اس کے علاوہ ٹی وی ہمارا یہ کیسا دوست ہے کہ جس کے آگے بیٹھ کر ہمیں اپنا قیمتی وقت ضائع ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا۔

ایک کافر شخص نے آپؐ اور مکہ کے سرداروں اور دیگر لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا۔ جب کھانا لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم اللہ اور اس کے رسول کو تسلیم نہیں کر لیتے اس نے آپؐ کی یہ دعوت قبول کر لی اور کلمہ پڑھ لیا۔ آپؐ نے کھانا تناول فرمالیا۔ لیکن جب اس کے گہرے دوست کو معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوا کہ جب تک تم اس کلمے سے انکار نہیں کرو گے میں تم سے بات نہیں کرونگا۔ اپنے دوست کی خاطر وہ پھر مشرک ہو گیا اور کلمہ سے انکار کر دیا۔ یہ کیسی دوستی ہے جو اللہ اور رسولؐ سے بیگانہ کر دے۔ ایسے لوگوں کا انجام ''دوزخ'' ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ ایسی دوستی جو والدین اور بیوی بچوں سے لا پرواکر دے ایسی تمام دوستیاں ناجائز ہیں۔ دین تو کیا اس سے دنیا میں بھی بے انتہا رسوائی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس نیک لوگوں سے دوستی رکھنا آخرت تک ساتھ دیتا ہے ایسی دوستی صدقہ جاریہ بن جاتی ہے۔

جنگِ اُحد میں دو شہیدوں کو ایک ہی قبر میں اتارا گیا اس لئے کہ دنیا میں ان کی بے مثال دوستی تھی سبحان اللہ کیسے اچھے دوست تھے جو قبر میں بھی ساتھ رہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں فرشتے اُن لوگوں پر اپنے پروں سے سایہ کر دیتے ہیں اور ان کے لئے دعا کرتے ہیں اُن کو خوشخبریاں سناتے ہیں اور اُن کے لئے جو اللہ کی خاطر دوستی کرتے ہیں۔

(سورہ اعراف) ''وہ اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے جو کدورت ہوگی اسے ہم نکال دیں گے۔''

یعنی اچھی دوستی کو اللہ جنت میں کامل کر دیں گے۔

(سورہ اعراف) ''لوگ کہیں گے ۔ یہ لوگ تھے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا لہٰذا انہیں آگ کا دوہرا عذاب دے۔''

یعنی یہ خود بھی بگڑے اور ہمیں بھی بگاڑ دیا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ سے دوستی مت کرو وہ کبھی بھی تمہارے دوست نہیں بن سکتے۔

پھر کیا بات ہے کہ آج ہماری حکومت انہیں اپنا دوست بنائے بیٹھی ہے۔ اپنے ملک کے قوانین بنانے کے لئے امریکہ سے مشورہ کرتی ہے۔ ہماری عدالت، معیشت، معاشرت، تجارت غرض ہر جگہ یہود ونصاریٰ کی چھاپ ہے۔ اس کے باوجود وہ ہم سے خوش نہیں ہیں جب چاہیں ہم پر بم برسا دیتے ہیں جب چاہیں ہمیں قید کر لیتے ہیں۔

کیا ہمارے حکمران قرآن نہیں پڑھتے کیا وہ مسلمان نہیں ہیں جو اللہ کی باتیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہم اپنی دوستیوں کو چیک کریں۔ آیا ہماری دوستی ہمارے اخلاق وکردار تو نہیں بگاڑ رہی، ہمارا قیمتی وقت تو ضائع نہیں کر رہی یا ہماری عبادت اور حقوق العباد میں تو خلل نہیں ڈال رہی اگر ایسا ہے تو جلدی کریں، اپنی دوستیاں تبدیل کرلیں، اس سے پہلے کہ ہمارا مقام تبدیل ہو جائے۔

محشرِ خیال

کرامت بخاری۔ لاہور

''بتول'' حسبِ روایت اچھا ہے ۔ ایسے پرچوں کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے ۔ہمیں مغربی افکار کے سیلاب کو روکنا ہے ، اپنی اقدار و روایات کو بچانا ہے ، اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل بچانا ہے ۔ہمیں ، دین ،تہذیب ، احترام ، سادگی ،بصیرت اور شعور کورواج دینا ہے ۔ برداشت ،حوصلہ، رواداری ، وضعداری ،عفودرگزر ،احسان ،عدل ،انصاف اور قناعت جیسی اہم صفات پر توجہ دینا ہے ، دنیا میں زندہ اور غیرت مند قوم کے طور پر آگے بڑھنا ہےاوراس میں خواتین کا حصہ سب سے زیادہ ہے ۔ ماں بچے کی پہلی درس گاہ ہے، ماں کی گوداس کوایک مکمل ،مہذب اوراچھا انسان بناسکتی ہے ۔

آپ کا پرچہ انہی خطوط پررواں دواں ہےاور یہ غنیمت ہے

رشیدہ صدف ۔ گجرات

اللہ تعالیٰ آپ کوصحت و سلامتی عطا کرے ۔ بتول میگزین میں جگہ دینے کا شکریہ، مجھ سے پہلے کئی ساتھیوں نے پڑھا اور مجھے فون کیا پھر میں نے رسالہ حاصل کر کے پڑھا ۔ ڈاکٹر ثمین ذکا صاحبہ، نام لیتے ہی ان کا محبت بھرا میٹھا لہجہ، ان کی ملاقاتیں، ان کے دیئے ہوئے پیارے پیارے تحائف نظروں میں گھوم گئے ، میں بات کررہی تھی ان کی ''داستانِ عطاو بخشش'' کی ، مجھے انتظار تھا کہ میرے محترم چچا جان ، میرے سسر کا بھی تذکرہ آئے تو اس قسط میں جن شاہ صاحب کا بار بار انہوں نے تذکرہ کیا، وہ ہمارے ہی بزرگ سسر تھے اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے، میں بھی انہی کی کوششوں سے راہِ ہدایت تک پہنچ پائی تھی اس طرح مستقل یہ کام ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ان کا ذکر پڑھ کر اب روح مسرور ہوگئی اور دل چاہا یا درفتگان میں ان کے لئے لکھوں، کب موقع ملتا ہے اللہ ہی جانتا ہے۔

بتول مجھے پڑھنے کو بہت دیر سے ملا، اس طرح یہ خبر بھی دیر سے ملی کہ خالہ جان بنتِ مجتبیٰ مینا کا انتقال ہوگیا ہے ۔خبر پڑھتے ہی میں نے سوچا کہ میں بس جلد ہی ان کے ساتھ کیا کراچی کا سفر اور ادبی نشستوں کا تذکرہ لکھوں گی لیکن جونہی نظر پڑھی تو السابقون الاولون میں فرزانہ چیمہ صاحبہ کو پایا۔ ہر دفعہ ہی نمبر لے جاتی ہیں ، میری سستی مجھے ہمیشہ ہی پیچھے کر دیتی ہے۔

فرحت طاہر۔ کراچی

سب سے پہلے تو محترمہ بنتِ مجتبیٰ مینا کی وفات پر تعزیت ۔اللہ ان کی مغفرت فرما کر ان کے درجات بلند کرے اوران کی کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ عطا کرے ۔ ادارہ

بتول کو ان کا بہترین نعم البدل اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل کے بدلے میں بہترین اجر ملے آمین۔

یقیناً ایک اصلاحی ، معیاری پرچے کو اس کے بہترین معیار پر قائم رکھنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے اور ادارہ بتول اس سلسلے میں نہایت کامیابی سے اپنا کردار ادا کرنے میں لگا ہوا ہے مگر کبھی کبھار ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس میں بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں پچھلے چند ماہ سے خصوصی طور پر تبصرہ کرنا چاہ رہی ہوں۔

سب سے پہلے تو یہ کہ اس میں سنجیدہ مواد کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے جس کے باعث ہماری نوجوان نسل کے لئے بتول قطعاً کوئی کشش نہیں رکھتا ملک کے حالات یقیناً ایک قلم کار کو بہت دباؤ میں رکھتے ہیں مگر پھر بھی خواتین کی دلچسپی ہلکے پھلکے ،افسانے کہانیوں میں ہی ہوتی ہے اور بتول میں بھی ان کے بجائے خبریں اور حالات کا رونا انہیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کے ورق پلٹا کر ایک طرف رکھ دیں ان میں جو ذہنی خلا پیدا ہو رہا ہے اس کی کمی دیگر رسائل اور جریدوں کے ذریعے پوری کی جا رہی ہے جو ذہنی افیون کے سوا کچھ بھی نہیں !لہٰذا درخواست ہے کہ کہانیاں اور افسانوں کے صفحات زیادہ رکھے جائیں۔ ہو سکے تو کوئی قسط وار ناول شروع کر دیں۔

دوسری بات ٹائٹل کی ہے۔خواہ کچھ بھی دیں مگر اندر کے صفحات میں اس جگہ کا نام ضرور ہو۔اس سے دلچسپی کے ساتھ ساتھ معلومات میں بھی اضافہ ہوگا۔گھر داری اور غذا وغیرہ کے بارے میں زیادہ صفحات نہ خرچ کیے جائیں کہ ان کی بھر مار ہو۔ کیونکہ دیگر مضامین میں بھی بہت سی گھریلو باتیں ضمناً آجاتی ہیں۔امید ہے کہ آپ ضرور ان باتوں پر غور کریں گی۔

اُم عثمان۔سیالکوٹ

مئی کا بتول نظر نواز ہوا ادار یہ حسب معمول آپ کی حب الوطنی کا منہ بولتا ثبوت ہے عالیہ حمید کا افسانہ ''سوتیلے پن کی چھاؤں'' اور ڈاکٹر سعدیٰ مقصود کا افسانہ ''آئیڈیل'' دونوں بہت خوب ہیں اُم اسماعیل نے برکت کا وہ مفہوم سمجھا دیا جس پر ابھی تک غور نہ کیا تھا اُم ایمان نے اپنی تحریر میں نماز کے بارے میں بہت سی احادیث کو جمع کر دیا ہے جو کہ پڑھنے والے کے لئے بیش بہا خزانہ ہے۔

چونکہ ''کتاب'' ہماری زندگی کی انتہائی محبوب ہستی ہے لہٰذا صائمہ اسما کا مضمون ''کتاب سے رشتہ مضبوط کیجئے'' بہت اچھا لگا۔ام عبدمنیب اللہ تعالیٰ سے اپنی بے پایاں محبت کو اپنی حمدوں کے ذریعے قارئین کے دلوں میں بھی اُجاگر کرتی ہیں ۔شمیم فاطمہ کی نظم بہت پسند آئی۔

ڈاکٹر ثمین ذکا اپنی یادیں انتہائی خوبصورت انداز میں پیش کر رہی ہیں ۔بہت پیاری قانتہ رابعہ صاحبہ کا ''میری لائبریری سے'' پڑھا زبردست ہے اپنے بہت سے پیاروں کو پڑھ کر سناؤں گی اور پہلی ہی فرصت میں کتاب بھی ضرور خریدوں گی۔

''ندامت'' میں ڈاکٹر صاحبہ نے ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھایا ہے جس پر لکھنے کی ہمارے معاشرے میں بہت ضرورت ہے۔فرزانہ صاحبہ! جاوید ہاشمی کے حالیہ بیان کے

بارے میں کئی جگہ پر بہت کچھ پڑھا مگر جس رُخ سے آپ نے جاوید ہاشمی صاحب کا اصل چہرہ دکھایا اس کا جواب نہیں اور پھر آخر میں جو اشعار کا تڑکہ آپ لگاتی ہیں اس کی خوشبو سے ہم بہت دیر تک محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔

اُمِ احمر۔لاہور

جولائی کا رسالہ ملا جو بنتِ مجتبیٰ مینا کی یاد میں تھا۔ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا۔تمام شمارہ اپنی مدیرہ کی پُر اثر اور دلکش شخصیت کا غماز تھا۔اہلِ خانہ،احباب اور دیگر افراد کے مضامین سے ان محبتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو وہ ساری عمر لوگوں میں بانٹتی رہیں۔ان کی شاعری سے دیا گیا انتخاب بہت خوب تھا،خصوصاً ''مکتبِ عشق ومحبت کا یہ دستور نہیں'' نہ صرف ایک لڑکی کے ارمانوں کا بہت خوبصورت اظہار ہے بلکہ ایک مسلمان بیوی کے لیے راہِ عمل کا بہترین تعین بھی ہے اوراس سے شاعرہ کے پختہ شعور اور بلند فکری کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔بنت مجتبیٰ مینا کی شاعری پر صائمہ اسما کا تجزیاتی مضمون بہت اچھا تھا اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ ان کی نشاندہی کے بعد اس کلام کی اشاعت کا ضرور بندو بست کیا جائے گا اور ہم ان کے خیالات سے مستفیض ہوسکیں گے۔

آخر میں ایک غلطی کی تصحیح کرنا چاہتی ہوں۔ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی نے ان کی قلمی کاوشوں میں ریڈیو نورستان کو بھی شامل کردیا ہے جب کہ یہ سعیدہ احسن تحریر کیا کرتی تھیں اور اب ان کی بیٹی اور بنتِ مجتبیٰ مینا کی بہو ذروہ احسن لکھتی ہیں۔مجموعی طور پر یہ رسالہ چمنِ بتول کے اراکین کی طرف سے اپنی مدیرہ کی طویل رفاقت اور خدمات کے اعتراف کی ایک اچھی کاوش ہے۔

☆ شمارے کی پسندیدگی کا شکریہ۔برائے مہربانی ہماری آگاہی کے لئے اپنا مکمل پتہ اور فون نمبر ارسال کیجئے تاکہ آئندہ بھی آپ کے خطوط شائع ہوتے رہیں۔

فریدہ خالد۔کراچی

بتول کی نئی قاری ہوں۔بتول میرے گھر میں پچھلے 2 سال سے آرہا ہے مگر تسلسل سے کبھی نہ پڑھا اب پچھلے 6 ماہ سے اسے باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ عرصے پہلے ہی میں نے فہم دین کا کورس شروع کیا ہے اور اکثر اوقات بتول میں لکھے مضامین پڑھنے سے اپنی پڑھائی میں مجھے مدد ملتی ہے۔

ویسے تو بتول کے تمام سلسلے اور کہانیاں بہترین ہوتی ہیں لیکن مجھے محشرِ خیال اور قانتہ رابعہ کا ''میری لائبریری سے'' بہت پسند ہیں۔اس کے علاوہ ''بتول میگزین'' تو ایک انتہائی شاندار سلسلہ ہے جسے پڑھ کر میرے دل میں بھی کچھ لکھ کر کسی میگزین کو پہلی مرتبہ بھیجنے کا خیال آیا ہے او میں نے اپنی سی کوشش کی ہے آپ سے درخواست ہے کہ ہمارے جیسے نئے لکھنے والوں کی مدد کیلئے بھی ایسا سلسلہ یا ادارہ بنائیں جہاں نئے لکھنے والے اپنے افسانوں یا کہانیوں کا بہترین DRAFT جمع کرائیں اور آپ اس کو EDIT کر کے قابلِ اشاعت بنائیں۔اگر غلطیاں زیادہ ہیں یا محنت کی ضرورت ہے تو اپنے تبصرے کے ساتھ واپس بھجوا دیں تاکہ لکھاری بہن اس کو مزید بہتر کر کے قابلِ اشاعت بنا سکے۔اس کے علاوہ اگر کوئی کہانی نا قابل اشاعت ہوتو ضرور لکھاری کو مطلع

کر دیں تا کہ وہ انتظار کرنے کی بجائے مزید محنت کرتی رہے
۔

☆ فریدہ خالد ! بتول کے صفحات پر خوش آمدید۔ ''بتول'' ایسا ہی ادارہ ہے، جہاں نئے لکھنے والوں کا بھی استقبال کیا جاتا ہے اور ان کی تحریروں کو بصد محنت و توجہ اشاعت کے قابل بنایا جاتا ہے تا کہ وہ ایک دن اچھے لکھاری بن سکیں۔ اگر کوئی جوابی لفافہ ارسال کرے یا فون نمبر پر رابطہ کرے تو اُسے اُس کی تحریر کی خامیوں سے بھی آگاہ کر دیا جاتا ہے اور نا قابلِ اشاعت ہونے کے بارے میں بھی اطلاع دے دی جاتی ہے (مدیرہ)

سحر وافطار اور عید کے خاص پکوان

بُھنا ہوا قیمہ

اجزا: قیمہ ایک کلو، پیاز ½ کلو یا 5 عدد، انڈے 4 عدد، ٹماٹر ایک پاؤ باریک کٹے ہوئے لہسن کا پیسٹ ایک کھانے کا چمچہ، ادرک باریک کٹا ہوا ¼ کپ، ہری مرچیں 2-3، نمک ایک چائے کا چمچ، مرچ ایک چائے کا چمچ، ہلدی ½ چائے کا چمچ، سفید زیرہ ایک چائے کا چمچ، خشخاش ایک چائے کا چمچ، پسا ہوا سوکھا دھنیا ½ چائے کا چمچ، آئل ایک کپ۔

ترکیب: 2 پیاز باریک کاٹ کر قیمہ میں ڈال دیں۔ 3 گلاس پانی ڈال کر اسے گلنے کیلئے رکھ دیں۔ جب قیمہ گل جائے تو سارا پانی خشک کرلیں اور اس میں آئل، ٹماٹر، لہسن، ادرک، نمک، مرچ، ہلدی، دھنیا، زیرہ اور خشخاش ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ بھوننے کے دوران پانی کا ہلکا ہلکا سا چھینٹا دیتے رہیں جب سب کچھ بھن جائے اور آئل علیحدہ ہو جائے تو بقیہ 3 پیازوں کو باریک چورہ کاٹ لیں اس میں چاروں انڈے ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں اور قیمہ میں انڈے پیاز ڈال کر اچھی طرح مکس کریں تقریباً 2 سے تین منٹ تک بھونیں اور اسے دم پر رکھ دیں۔ دس منٹ کے بعد ہری مرچیں اور دھنیا ڈال کر پیش کریں۔ سحری کے وقت خصوصاً قیمہ، گوشت چکن دہی پراٹھے کے ساتھ بہت اچھا لگتا ہے۔ گوشت بھی اسی ترکیب کے ساتھ پکا سکتے ہیں۔

انڈے اور کباب والے سینڈوچ

اجزا: بریڈ سلائس 2 عدد، انڈا ایک عدد، میونیز ایک کھانے کا چمچہ، کباب ایک عدد۔

ترکیب: انڈے کو ابال کر اس کے گول گول باریک قتلے کرلیں کباب فرائی کریں۔ سلائس پر میونیز لگائیں اس پر انڈے کے قتلے رکھیں اور کباب رکھ کر اس کے اوپر دوسرا سلائس رکھ دیں۔ سینڈوچ تیار ہے۔ سحری کے وقت کھانے کیلئے کم وقت میں تیار کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ کباب آپ نے پہلے سے تیار کر کے رکھے ہوں۔ ڈائٹنگ کرنے والے براؤن بریڈ استعمال کریں اور میونیز نہ لگائیں۔

افطاری

فروٹ چاٹ

اجزا: ناشپاتی 2 عدد، سیب 2 عدد، کیلے 2 عدد، امرود 2 عدد پپیتا 100 گرام، آم 1 عدد 300 گرام والا، انگور 200 گرام، نمک، لیموں کا رس 3 کھانے کے چمچ، چینی حسب ذائقہ، چاٹ مصالحہ ایک کھانے کا چمچ، چنے ایک کپ۔

ترکیب: پھلوں کو دھوکر چوکور مربع شکل میں باریک کاٹ لیں اور تمام مصالے ڈال کر مکس کریں۔ مزیدار چاٹ تیار ہے۔ لیموں کے رس کے بجائے املی کی چٹنی بھی ڈالی جاسکتی ہے۔

آلو کے سموسے

اشیاء: آلو ½ کلو، نمک ½ چائے کا چمچ، پسی لال مرچ ایک چائے کا چمچ، ثابت دھنیا ایک چائے کا چمچ، زیرہ ایک چائے کا چمچ، 2½ کپ میدہ، گھی 6 کھانے کے چمچ، پانی حسب ضرورت۔

ترکیب: آلوؤں کو ابال کر چھیلیں۔ اس میں نمک، لال مرچ، ثابت دھنیا اور زیرہ شامل کرلیں۔

اب میدے میں نمک گھی اور حسب ضرورت پانی شامل کر کے گوندھ لیں پھر روٹی کی شکل میں بیل کر کاٹ لیں۔ اس میں آلو بھر کر

سموسے کی شکل دیں ایک بڑی کڑاہی میں تیل گرم کریں اور ہلکی آنچ پر ڈیپ فرائی کریں۔مزے دار سموسے تیار ہیں افطاری کے وقت خوب لذت دیں گے۔

جٹ پٹ پیزا

اجزا: میدہ آٹھ اونس، بیکنگ پاؤڈر 2 چائے کے چمچ، نمک ½ ٹی سپون، 2½ اونس مکھن، گوندھنے کیلئے دودھ، ایک پیاز چھلکے دار کٹا ہوا، ٹماٹر 3 عدد قتلے کاٹ کر، نمک وسیاہ مرچ، پنیر چھ اونس، مرغی کے چند ٹکڑے ابلے ہوئے۔

ترکیب: میدے میں نمک، بیکنگ پاؤڈر اور دو اونس مکھن ملا کر دودھ سے گوندھ کر اس کی ½ انچ موٹی ایک یا چار روٹیاں بیل لیں۔ بقایا مکھن گرم کر کے پیاز کے چھلے ہلکے سے فرائی کر کے روٹی پر رکھ دیں۔ٹماٹر کے قتلے بھی سجا دیں۔نمک، سیا مرچ اور گرم مصالحہ چھڑک کر پنیر کش کر کے چھڑک دیں۔اس پر مرغی کے گوشت سے strips کاٹ کر سجا دیں۔اوون میں 22oc پر رکھ کر بیک کریں اور گرم گرم پزّے سے افطاری کیجئے۔

عید کے پکوان

شیرخرما

صبح عید ملنے آنے والے مہمانوں کیلئے یہ اشیا تیار کی جا سکتی ہیں۔

اجزا: سویاں ایک کلو، دودھ 2 کلو، ناریل بادام پستے حسب ضرورت کیوڑہ چند قطرے، الائچی چھ سے سات عدد، چینی حسب ذائقہ، چھوہارے کٹے ہوئے کھانے کا ایک چمچہ، گھی کھانے کا ایک چمچہ۔

ترکیب: گھی میں سویاں بھون لیں ہلکی آنچ پر بھونیں تا کہ جلنے نہ پائیں دودھ میں چھوہارے ڈال کر درمیانی آنچ پر پکائیں۔جب دودھ گاڑھا ہو جائے تو سویاں ڈال کر پکائیں، دودھ خشک ہونے لگے اور کھیر کی شکل اختیار کرے تو اس میں چینی ڈال دیں۔ناریل، بادام، پستے کاٹ کر اور الائچی پیس کر ڈال دیں۔آخر میں کیوڑہ ڈال کر چند منٹ ہلکی آنچ پر پکائیں اور گرم گرم نوش فرمائیں۔

چاکلیٹ کولڈ کیک

اجزا: انڈے 2 عدد، کوکو پاؤڈر ایک کھانے کا چمچہ، چینی دس چائے کے چمچ، میری بسکٹ ایک ڈبہ، مکھن چھ اونس، بادام دس بارہ گریاں کٹی ہوئی۔

ترکیب: ایک چھوٹی دیگچی میں مکھن ڈال کر قدرے نرم کر لیں اور دونوں انڈے توڑ کر ڈال دیں۔چینی اور کوکو پاؤڈر بھی ملا دیں۔ اس دیگچی کو ایک بڑی دیگچی میں رکھ دیں۔اس بڑی دیگچی میں پہلے سے پانی ڈال کر چولہے پر رکھ کر گرم کرنا ہے اور پھر اس چھوٹی دیگچی کو اس میں رکھنا ہے اور چمچ برابر ہلاتے جانا ہے اسے براہ راست نہیں پکانا بلکہ گرم پانی پر رکھ کر پکانا ہے۔جب یہ کسٹرڈ کی طرح ہو جائے تو اتار لیں۔

میری بسکٹ کا ڈبہ کھولیں اور ہر بسکٹ کے تین تین ٹکڑے کریں۔کترے ہوئے بادام پستہ اور بسکٹ بھی ملا دیں۔اس مرکب کو ایسے پلاسٹک کے لفافے میں ڈالیں جس میں بر کٹ نہ بنی ہوں نچلے کونے فلیٹ ہوں جیسے کارن فلیکس کا لفافہ ہوتا ہے۔لفافے میں یہ مرکب ڈال کر رول کی شکل میں لپیٹ دیں اور فریزر میں رکھ دیں۔ جب سخت ہو جائے تو لفافے سے نکال کر تیز چھری سے قتلے کاٹ لیں لذیذ کولڈ کیک تیار ہے پیش کرنے سے تھوڑی دیر پہلے فریزر سے نکالیں۔

چکن نگٹس

اجزا: 1½ کلو چکن کا قیمہ، لال مرچ پسی ہوئی ایک کھانے کا چمچ، کالی مرچ پسی ہوئی ½ چائے کا چمچ، زیرہ ½ کھانے کا چمچ لہسن کا پیسٹ حسبِ ضرورت، ہری مرچیں 3-4 عدد ہرا دھنیا ½ کپ کٹا ہوا۔

ترکیب: قیمہ میں یہ تمام اجزاء شامل کر لیں اور انہیں اچھی طرح مکس کریں پھر قیمے کو ہاتھ کی مدد سے نگٹس کی شکل دے کر کچھ دیر کیلئے فرج میں رکھ دیں۔نگٹس کو ڈیپ فرائی کرنے سے پہلے ڈپ تیار کر لیں۔

میونیز 2 کپ، کسٹرڈ پاؤڈر 2 کھانے کے چمچ، شہد 2-3

کھانے کے چمچ، مرچ ½ کھانے کا چمچ، کالی مرچ ایک کھانے کا چمچ، چلی گارلک ساس ایک کپ ان تمام اشیا کو مکس کر لیں ڈپ تیار ہے۔
نگٹس کو ڈپ میں 7-6 گھنٹے تک رہنے دیں 3 انڈے، بریڈ کو مبرز اور میدہ کو مکس کر لیں اب نگٹس کو اس مکسچر میں ڈپ کر کے فرائی کر لیں اور گرم گرم پیش کریں۔

☆......☆......☆

اب دوپہر اور رات کے کھانے کی تیاری کریں۔ پلاؤ تو ہر کوئی بنا لیتا ہے پلاؤ کے ساتھ یہ کھانے دسترخوان پر سجائیں۔

مٹن یا مرغ مصالحہ

مٹن یا مرغ کا گوشت 1½ کلو، دہی ایک پاؤ، پستہ، بادام کی گری اور کھوپرا ایک ایک چھٹانک، سرخ مرچ دو چائے کے چمچ، دھنیا 2 چائے کے چمچ، پیاز ½ پاؤ، ہرا دھنیا، خشخاش، جلوتری، چھوٹی الائچی ایک ایک تولہ، نمک دو چائے کے چمچ لہسن اور ادرک پیسٹ ایک ایک چائے کا چمچ، گرم مصالحہ ایک چائے کا چمچ، کیوڑہ چند قطرے۔

ترکیب: گوشت کو دھو کر نمک لگا دیں اور چند گھنٹے فرج میں رکھ دیں۔ پیاز کو کش کر کے گھی میں سرخ کر کے تمام مصالحے ڈال کر بھونیں ایک کپ گھی اور ایک کپ دہی ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ اس تمام مصالحے کو بھونتے ہوئے پانی کا چھینٹا بھی دیں۔ اب اس میں گوشت ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ جب مصالحہ اور گھی علیحدہ علیحدہ ہو جائے تو تھوڑا سا پانی ڈال کر گلنے کیلئے دے دیں۔ مزے دار چکن یا مٹن مصالحہ تیار ہے۔

ڈرم اسٹکس

اجزا: مرغیوں کی ٹانگیں 4 عدد، پیاز ایک عدد، نمک ایک چائے کا چمچ، سفید سرکہ 2 چائے کے چمچ، سفید مرچ ایک چائے کا چمچ، چائنیز نمک ایک چائے کا چمچ، کارن فلور ایک چائے کا چمچ، میداہ آدھا کپ، ہری مرچیں 3-4 عدد کٹی ہوئی۔

ترکیب: مرغی کی ٹانگوں پر چھری کی مدد سے کٹ لگائیں اور سرکہ اور چائنیز نمک لگا کر ایک گھنٹہ کیلئے رکھ دیں۔ پیاز چورہ کی شکل میں کاٹ لیں، ہری مرچیں، نمک، سفید مرچ، کارن فلور انڈا اور میدہ بھی ملا دیں۔
اس مرکب کو مرغی کی ٹانگوں کے کٹس پر اچھی طرح اندر باہر مل دیں یہ مرکب خشک ہوگا اس لئے ہاتھ کو پانی لگا کر اچھی طرح شیپ دیتے جائیں اور ایک ڈش میں رکھتے جائیں لیکن گھنٹے کیلئے فرج میں رکھ دیں۔ کڑاہی میں کافی تیل گرم کر کے ان کو تل لیں۔ آنچ اور تیل زیادہ گرم نہ ہو ورنہ اندر سے کچی رہیں گی۔ تلتے ہوئے بھی کانٹے سے کچو کے لگاتے رہیں تا کہ اندر سے پک جائیں۔ گولڈن براؤن ہونے پر نکال لیں اور ڈش میں سجا کر پیش کریں۔

رشین سیلڈ

اجزا: آلو 3-4 عدد، گاجر 2 عدد، ایک بند گوبھی کا پھول باریک کاٹ لیں لیموں کا رس ایک کھانے کا چمچ، سرکہ حسب ذائقہ، چینی ایک چائے کا چمچ، نمک، کالی مرچ ایک کھانے کا چمچ، میونیز ایک کپ۔
ترکیب: ان تمام اشیا کو اچھی طرح مکس کر لیں رشین سیلڈ تیار ہے زیادہ مزیدار بنانے کیلئے سیب، انناس، کیلے آم بھی شامل کئے جا سکتے ہیں۔

ونیلا آئس کریم

اجزا: دودھ ½ لیٹر، انڈوں کی زردی 3 عدد، کارن فلور ایک کھانے کا چمچ، چینی ایک کپ، ونیلا اینس ایک کھانے کا چمچ، کریم 400 ملی لیٹر۔

ترکیب: ان سبکو پانی میں ملا کر اچھی طرح پکائیں۔ جب یہ گاڑھی ہو جائے تو 400 ملی لیٹر کریم شامل کر کے ٹھنڈا کریں اور کسی ایئر ٹائٹ جار میں 5 گھنٹے کیلئے فریز کر دیں پھر اسے نکال کر بیٹر کی مدد سیمکس کریں اور دوبارہ 5 سے چھ گھنٹے کیلئے فریزر میں رکھ دیں۔ یہ عمل 2 سے 3 مرتبہ کریں ونیلا آئس کریم تیار ہے۔

☆☆☆

فیس بک......احتیاط

فیس بک کا استعمال اب پاکستانی معاشرت میں بھی بتدریج ہر خاص و عام کا وطیرہ بنتا جا رہا ہے۔ اساتذہ، طلبہ، میڈیا، بیوروکریسی، سیاستدان، افواج پاکستان سے متعلق افراد غرضیکہ ہر طبقہ فکر کے افراد فیس بک پر اپنے اکاؤنٹ کھول رہے ہیں۔ فیس بک یقینی اعتبار سے ایک ایسی ویب سائٹ ہے جس پر اکاؤنٹ بنانے والا فرد کم از کم اتنی تعلیم ضرور رکھتا ہے کہ وہ انگریزی زبان میں ابلاغ کر سکے۔

فیس بک کے اکاؤنٹ پر اپنے اور اپنے سے متعلق تمام افراد، دوستوں، عزیز و اقارب اور گھریلو تقریبات کے کوائف اور تصاویر بلا تمیز اپ لوڈ کیے جا رہے ہیں یہی نہیں بلکہ اپنے دوستوں سے ان کو share بھی کیا جا رہا ہے لیکن اس بات کا ادراک شاید بہت کم لوگوں کو ہے کہ فیس بک کے اکاؤنٹ پر دی جانیوالی تمام معلومات زندگی بھر ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔ ایک تو یہ کہ آپ کی دی جانیوالی تمام انفارمیشن فیس بک کی انتظامیہ کے پاس محفوظ ہو جاتی ہے اور جب بھی ان کو کسی حوالے سے فیس بک کا ممبر بننے والے فرد کے بارے میں کچھ بھی معلوم کرنا ہو تو ان کو ایسے ایسے clues ملیں گے کہ نہ تو آپ کی نجی زندگی اور نہ ہی آپ کی سرکاری زندگی یا مشاغل ان سے پوشیدہ رہیں گے۔ آپ نے خود بھی اور آپ کے دوستوں نے بھی جن کے ساتھ آپ نے اکاؤنٹ کو shere کیا ہے آپ کے بارے میں رضا کارانہ طور پر معلومات فراہم کر دی ہیں۔

آپ طالب علم ہیں یا استاد ہیں آپ اعلیٰ عہدے پر فائز ایک شخص ہیں یا آپ گھریلو خاتون ہوں یا ملازم پیشہ آپ کی لائف ہسٹری کو trace کرنا مشکل نہ ہوگا۔ آپ کے دوست کون ہیں؟ آپ کے رشتہ دار کون ہیں؟ آپ کی ''دوستیاں'' کن کن لوگوں کے ساتھ ہیں آپ زندگی میں کیا بننا چاہتے تھے۔ آپ کی پسند نا پسند کیا ہے؟ آپ کے جذبات کیسے ہیں یہ سب معلومات آپ کے اور آپکے دوستوں کے اکاؤنٹس سے اخذ کی جا سکتی ہیں اس طرح آپ کی نجی زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جو فیس بک سے چھپا رہ جائے۔

فیس بک بظاہر ایک رابطے یا سماجی تعلق کا ذریعہ ہے اس کے منفی اور مثبت دنوں پہلو ہیں لیکن زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ فیس بک امریکی سی آئی اے کیلئے مفت معلومات کا ایک ایسا ذریعہ بن گئی ہے جس کا تصور ہمارے جیسے ترقی پذیر ممالک یا غیر ترقی یافتہ ممالک کے عوام اور حکومتوں کی سوچ سے باہر ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق امریکی سی آئی اے کا ایک خصوصی شعبہ فیس بک کو focus کیے ہوئے ہے اور مخصوص مقاصد حاصل کرنے کیلئے نہ صرف یہ

کہ target group کی معلومات با آسانی حاصل کررہا ہے بلکہ اس انفارمیشن کے تجزیہ کے بعد اپنی حکمت عملی وضع کررہا ہے اس سے پہلے اس قسم کی مخصوص معلومات حاصل کرنے کیلئے امریکی سی آئی اے خطیر رقم صرف کرتی تھی۔

ایک اور اطلاع کے مطابق امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے فیس بک کی ویب سائٹ کی ڈیزائنگ اور معلومات کے حصول کو مزید مصدقہ بنانے کے عمل میں بھی رہنمائی کررہی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ جب فیس بک پر اکاؤنٹ کھول لیتے ہیں اور پھر آپ کو خیال آئے کہ میں اپنی فراہم کردہ معلومات کو اس سے Delete کردوں تب بھی اس عمل کے بعد آپ کی مہیا کی جانیوالی معلومات اور تصاویر کو فیس بک کے ہیڈ کوارٹرز یا ہب سے ضرورت کے وقت Retreive کیا جاسکتا ہے۔

اس طرح فیس بک پر ایک بار فراہم کی جانیوالی معلومات اب Public property بن جاتی ہے اور ان پر intellectual property Rights بھی لاگو نہیں ہوتے اس طرح آپ نے جو ایک مرتبہ وہاں اپ لوڈ کردیا وہ آپ کا نہ رہا۔ اس پس منظر میں صاحبِ علم وفکر اور دانشمند احباب کو خصوصی خیال رکھنا چاہیے اور اپنے بچوں، عزیز واقارب اور دوستوں کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہیے۔

فیس بک کا یہ پہلو تو انٹیلی جنس سے متعلق تھا لیکن دوسری جانب فیس بک کیلئے مثبت پہلو بھی ہیں فیس بک کے استعمال سے آپ کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ تبصرہ کرنے اور دنیا کی مختلف ثقافتوں کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ فیس بک ایک اہم ترین Social Networking کے طور پر خصوصی ااہمیت کا حامل ہے۔ آپ اپنے سکول کالجز اور یونیورسٹی کے دوستوں کو ڈھونڈ سکتے ہیں۔ اجنبی لوگوں کو دوست بنا سکتے ہیں

۔

بعض اوقات تو فیس بک کے ذریعے شادیاں بھی طے پا جاتی ہیں۔ فیس بک کاروبار بڑھانے میں بھی معاون بن جاتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت فیس بک کے متحرک ممبران کی تعداد 600 ملین سے زیادہ ہے۔ امریکہ کی تقریباً 42 فیصد آبادی فیس بک کی ممبر ہے۔ فیس بک کا ہیڈ کوارٹرز امریکہ کے شہر کیلی فورنیا میں ہے۔ 2000 سے زائد افراد اس ویب سائٹ کے نظام کو چلانے کیلئے باقاعدہ طور پر ملازم رکھے گئے ہیں۔ فیس بک کو 4 فروری 2004 میں عام آدمیوں کیلئے Launch کیا گیا۔

فیس بک شروع کرنے کا اچھوتا خیال 2002 میں امریکہ کی نامور یونیورسٹی ہاورڈ کے ایک بھارتی نژاد امریکی طالب علم ''دیویزنیدر'' کو آیا اس نے اپنے دو دوسرے طالب علم ساتھیوں کے ساتھ ملکر ہاورڈ یونیورسٹی کے طالب علموں کے لئے ایک گپ شپ اور میل ملاپ کے لئے ویب سائٹ بنانے کی کوشش کی۔ اس ویب سائٹ کا نام ''ہاورڈ کنکشن'' رکھا گیا۔ اس ویب سائٹ پر ہاورڈ کے طالب علموں کے کوائف اور تصاویر ڈالی گئی۔ اس ویب سائٹ کے دوسرے بانی طالب علموں میں نریندر کے ساتھ کیمرون اور ٹیلر شامل تھے۔

ان طالب علموں کی اس کاوش کو ''مارزگر برگ'' نامی

ایک شخص جو ایک معروف پروگرامر تھا، نے اس Idea کو ہائی جیک کرلیا اور فیس بک کے نام سے ایک ویب سائٹ کی بنیاد رکھی اور facebook.com کے نام سے ڈومین حاصل کر لی۔

فیس بک پر بلا روک ٹوک آنیوالے مواد کی وجہ سے کئی مما لک میں اسے عوامی اور حکومتی سطح پر تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا ۔چین، ویت نام، ایران پاکستان، ازبکستان، شام اور بنگلہ دیش نے فیس بک پر پابندی بھی لگائی ۔اسلامی مما لک میں یہ پابندی مذہبی شعائر کی تضحیک کرنے اور نازیبا مواد فراہم کرنے کی وجہ سے لگی۔